

# تبلیغی کام اور اکابر علماء کی آراء

مولانا مفتی محمد ایوب شوپیان کشمیری القاسمی



[riyad-us-saliheen.hpage.com](http://riyad-us-saliheen.hpage.com)

[/mufti.ayoub.sahb](https://www.facebook.com/mufti.ayoub.sahb) Like 9906412293

[youtube.com/c/Riyadussaliheen313](https://www.youtube.com/c/Riyadussaliheen313)



نام کتاب: تبلیغی کام اور اکابر علماء کی آراء

مرتب: مولانا مفتی محمد ایوب شوپیان کشمیری القاسمی

زیر اہتمام: قاضی سجاد احمد

قدیم ناشر: مکتبہ الہدیٰ

**E-book (PDF)** تعمیر: عاقب جیلانی

Download Book from

[riyad-us-saliheen.hpage.com](http://riyad-us-saliheen.hpage.com)

## فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۔	تقریظ	۷
۲۔	اپنی بات	۱۲
۳۔	تعلیم و تبلیغ کی ضرورت	۱۷
۴۔	تبلیغ و تعلیم	۲۱
۵۔	مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت	۲۲
۶۔	صحابہ کرام کا تبلیغ کرنا	۲۳
۷۔	موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت	۲۳
۸۔	چلہ کی اصلیت	۲۵
۹۔	تبلیغی چلہ وغیرہ کا مآخذ	۲۶
۱۰۔	تبلیغی چلہ کا حکم	۲۹
۱۱۔	چلہ کے فوائد	۳۰
۱۲۔	کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے	۳۲



34	تبلیغ کا ثواب	- ۱۳
35	تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ	- ۱۴
37	نبوت ختم کار نبوت باقی	- ۱۵
37	کیا تبلیغی جماعت سے جڑنا ضروری ہے	- ۱۶
37	قرض لے کر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا	- ۱۷
39	بچوں کے خرچ کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا	- ۱۸
39	گھربتائے بغیر تبلیغ پر چلے جانا کیسا ہے	- ۱۹
40	باب کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا	- ۲۰
41	ماں کی مرضی کے بغیر تبلیغ میں جانا	- ۲۱
42	تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا	- ۲۲
43	کیا تبلیغ کے لیے پہلے مدرسہ کی تعلیم ضروری ہے؟	- ۲۳
43	کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟	- ۲۴
44	تبلیغی جماعت میں تقریر کی حیثیت	- ۲۵
45	نماز کے فوراً بعد تبلیغ	- ۲۶
46	تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں رات گزارنا	- ۲۷
47	تبلیغ کرنا اور مسجدوں میں پڑاؤ ڈالنا	- ۲۸
48	تبلیغ میں چھ باتوں کا بیان	- ۲۹
50	نماز فجر کے بعد روزانہ کتاب سنانا	- ۳۰
51	کیا نماز کے بعد اعلان کرنا بدعت ہے	- ۳۱
52	کیا تبلیغ کرنا صرف عالموں کا کام ہے	- ۳۲
52	کیا تبلیغی جماعت میں رقم خرچ کرنا رقم برباد کرنا ہے	- ۳۳
53	تبلیغی جماعت والوں کو فضائل کے بجائے مسائل بتا کر کام کرنا چاہئے	- ۳۴



53	تبلیغی جماعت سے والدین کا اپنی اولاد کو منع کرنا	- ۳۵
54	تبلیغ پہلے گھر پھر باہر	- ۳۶
55	تبلیغی جماعت پر اعتراض	- ۳۷
57	عورتوں کے لیے تبلیغی سفر	- ۳۸
58	عورتوں کے لیے تبلیغی اجتماع	- ۳۹
58	کیا وقت لگائے بغیر تبلیغ سمجھ میں نہیں آسکتی؟	- ۴۰
65	ایک سنت زندہ کرنے پر شہیدوں کا ثواب	- ۴۱
69	تبلیغی محنت کے فوائد	- ۴۲
75	ام الامراض (تکبر) کا علاج تبلیغی چلہ ہے	- ۴۳
78	دو دن تبلیغی مرکز نظام الدین میں	- ۴۴
101	بنگلہ والی مسجد کے متعلق	- ۴۵
102	انسان پر ماحول کا اثر	- ۴۶
103	تبلیغی جماعت مولانا مودودی صاحب کی نظر میں	- ۴۷
110	عظیم دینی اداروں کے فتاویٰ	- ۴۸
111	ایشیاء کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ	- ۴۹
112	جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ	- ۵۰
113	بین الاقوامی اسلامی ادارے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا فیصلہ	- ۵۱
114	مدرسہ اشرف المدارس مجلس دعوت الحق ہر دوئی کا فتویٰ	- ۵۲
114	جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا فتویٰ	- ۵۳
116	خطیب شاہی جامع مسجد میرٹھ مولانا قاضی زین العابدین صاحب کا فتویٰ	- ۵۴
117	صدیق العصر حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کا فتویٰ	- ۵۵
118	مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی رائے گرامی	- ۵۶



۱۲۰	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ارشاد عالی	-۵۷
۱۲۰	مکتوب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	-۵۸
۱۲۱	مکتوب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ	-۵۹
۱۲۱	خواب میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید	-۶۰
۱۲۲	مکتوب مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ	-۶۱
۱۲۲	مکتوب حضرت مولانا اسد اللہ صاحبؒ	-۶۲
۱۲۳	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ	-۶۳
۱۲۴	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ	-۶۴
۱۲۴	ارشادات حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ	-۶۵
۱۲۵	حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے بیان میں سے چند اقتباسات	-۶۶
۱۲۵	تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم	-۶۷
۱۲۶	تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ	-۶۸
۱۲۶	تبلیغ کا مقصد	-۶۹
۱۲۷	بے لوث خدمت	-۷۰
۱۲۷	تبلیغی کام کے ساتھ کھلی مدد	-۷۱
۱۳۰	ایک سے ہزار بنتے ہیں	-۷۲
<b>133</b>	مکمل دعوت اور مکمل دین از مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی	-۷۳
<b>143</b>	مولانا محمد زبیر الحسن کا ندھلویؒ کی سوانح حیات	-۷۴
<b>211</b>	ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحبؒ	-۷۵
<b>226</b>	ایک تبلیغی جلسے کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے تاثرات	-۷۶
<b>227</b>	تبلیغی جماعت کے متعلق مبشرات	-۷۷
<b>233</b>	نظم بر حمایت تبلیغ از حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ	-۷۸



## تقریظ

از:- مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مدظلہ العالی

لحمدة ونصلى ونسلم على رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ  
اجمعین:۔ اما بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم سردارِ دو جہاں تاجدارِ مدینہ خاتم النبیین حضرت  
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ”خیر امت“ کے لقب سے نوازا ہے اور خاص وظیفہ  
اسکے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر متعین فرمایا ہے۔ دعوت الی اللہ کو احسن القول  
سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہی ایمان کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ اسکے جملہ شعبوں کے باقی  
رہنے اور اگلی ترقی کا بھی وسیلہ ہے چنانچہ اس امت کے خوش نصیب وسعادت مند ہر اول  
وآخر یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی عظیم کام کو اپنی زندگی کا  
مقصود قرار دیا چنانچہ ان کی قربانی کے نتیجہ میں اسلام چہار دانگ عالم میں اشاعت



پذیر ہوا۔ اور ان نفوس قدسیہ کی اتباع میں انکے متبعین بالاحسان یعنی تابعین و تبع تابعین وغیرہم نے اس کام میں اپنا تن من دھن صرف کیا۔ اسی کے نتیجہ میں اس وقت بھی عالم کے مشرق و مغرب شمال و جنوب میں تو حید کا غلغلہ قائم ہے اور اکناف و اطراف عالم میں ایمان کی شمع فروزاں ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ دورِ حاضر میں بھی لاکھ کمزوریوں اور قرب قیامت کے فتنوں کے باوجود انفرادی اور اجتماعی طور پر دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عظیم کام اللہ پاک کی توفیق و عنایت سے جاری و ساری ہے۔ اصدق الصادقین، بشیر و نذیر، محبوب رب العلمین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے مطابق امت فرقوں میں بٹی ہوئی ہے ایسے حال میں اس تفرقہ کے نتائج ظاہر ہیں چنانچہ ایک طرف اس توفیق الہی سے سرشار جذبہ دعوت رکھنے والے حضرات کام کرنے کے لئے حدود شریعت کو تلاش کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ دوسری جانب سہولت پسند طبائع تقاضائے بشریت کے پیش نظر شرعی گنجائشوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ اور ایک جانب معترضین و ناقدین مختلف حیلوں، بہانوں اشکالات و اعتراضات سے کام کرنے والے حضرات کو تشویش میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں جی یہ چاہتا تھا کہ اس موضوع سے متعلق اہم ضروری امور، وضاحتیں، مسائل، اشکالات کے جوابات اور ضروری ہدایات کو کسی ایک جگہ اس انداز سے جمع کیا جاتا جو نہ ہی بہت زیادہ طویل ہوتا اور نہ بہت زیادہ مختصر۔ تاکہ استفادہ آسان ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ ہر دور کے مستند علماء حق ہی اس فریضہ کو انجام دیتے آئے ہیں لہذا دورِ حاضر کے مستند و معروف اکابر علماء حق سے خط و کتابت ہوئی۔ خیال تھا کہ اسکو مرتب کر کے شائع کر دیا جائے گا۔ یہ آج سے تقریباً۔۔۔ سال قبل کا واقعہ ہے۔



ہمارے عزیز مولانا حافظ مفتی محمد ایوب شاہ القاسمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس فقیہ الامت جامع شریعت و طریقت مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں دارالعلوم رحیمہ میں ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھے۔ ماشاء اللہ ذی استعداد تو اس وقت سے ہی تھے اسی لئے طالب علم ہونے کے باوجود ان سے اس خط و کتابت کی ترتیب وغیرہ کا کام انہی سے لیا گیا۔ لیکن یہ کام ادھورا رہ گیا۔ اور عزیز موصوف کو مزید علوم و فیض کے اکتساب کیلئے سیدی حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد ابرار الحق دامت برکاتہم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند سال گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اسکے بعد توفیق خداوندی نے انکو صدیق العصر عارف باللہ حضرت مولانا الحاج قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سال حاضری کا شرف عطا فرمایا بعد ازاں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ خصوصاً حضرت اقدس جامع شریعت و طریقت مفتی اعظم مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ اجل قطب الاقطاب حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامع مظاہر علوم سہارنپور) کی خصوصی توجہات و عنایات اور شفقتیں حاصل ہوئیں اور اس عظیم مرکز علوم سے سند افتاء اور حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ سے اجازت بیعت سے سرفراز ہو کر واپس وطن کشمیر میں ورود ہوا۔ یہاں آ کر بھی رحمت خداوندی سے ترجمہ و تفسیر قرآن کریم اور حدیث پاک کی خدمت کا موقع مشہور و معروف ادارہ مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم رحیمہ بانڈی پورہ میں انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اکابر تبلیغ خصوصاً حضرت سیدی مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری



رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ قلبی کے نتیجے میں موصوف کو دعوت کے عظیم کام سے مناسبت بھی ہے انس بھی۔ اسی لئے اس دعوت سے وابستہ احباب کی کثرت سے آمد بھی موصوف کے پاس ہوتی رہتی ہے ان کے مسائل الجھنوں اور دیگر ضروریات سے موصوف واقف ہوتے رہتے ہیں چنانچہ گذشتہ رمضان المبارک (۱۴۲۱ھ) میں موصوف نے پھر اس ضرورت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ راقم نے انکو یاد دلایا کہ اس موضوع پر پہلے سے کچھ کام کیا ہوا موجود ہے مزید حضرت فقیہ الامت جامع شریعت وطریقت علیہ الرحمۃ نے بھی اس موضوع پر بہت سے مسائل کو حل کر رکھا ہے اسی کو کام کا میدان بنا کر آگے قدم بڑھایا جائے جسکو انہوں نے الحمد للہ بڑی محنت سے انجام دیا ہے چنانچہ اس وقت ایک مختصر مگر جامع یعنی بقامت کہتر بقیمت بہتر کے مصداق یہ کتابچہ میرے سامنے ہے اور اس پر اللہ پاک مالک الملک ذوالجلال والکرم والفضل والنعم کا شکر لاتعد ولا تحصى ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی توفیق سے یہ مجموعہ تیار کرنے کا موقع مرحمت فرمایا اگرچہ جی یہ بھی چاہتا تھا کہ اسی رسالے میں بعض ان حضرات کے اشکالات کا دفعیہ بھی کیا جائے جو ہمارے ناداں دوست حضرت شیخ الحدیث الحاج مولانا محمد زکریا صاحب کے مشہور عالم مجموعہ رسائل یعنی فضائل اعمال کی مختلف احادیث اور واقعات پر کرتے ہیں تاکہ ان میں سے طالبین حق کی تشفی کا سامان ہو جائے اور معترضین معاندین تو خود قرآن و حدیث میں شبہات پیش کرتے رہتے ہیں ان کی جواب دہی کا البتہ ہمیں کوئی فکر نہیں۔ لیکن اس سے کتابچہ کی ضخامت بھی بڑھ جاتی اور اشاعت میں تاخیر بھی ہو جاتی۔ جبکہ خود حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب کی جانب سے ان اشکالات کے جوابات پر مشتمل کتاب ”کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات“ کے



نام سے طبع ہو کر انکی حیات ہی میں شائع ہو چکی ہے۔ ضرورت مند حضرات اس کا مطالعہ فرما سکتے ہیں نیز حال ہی میں دارالعلوم دیوبند کے استاد مولانا مفتی محمود حسن بلند شہری نے بھی اس سلسلے کا ایک کتابچہ اسی عنوان سے شائع کیا ہے۔ شائقین اس کا بھی مطالعہ فرما سکتے ہیں

بہر حال یہ مختصر رسالہ انشاء اللہ دعوت و تبلیغ سے تعلق رکھنے والے احباب کیلئے مفید ثابت ہوگا۔ اللہ پاک عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر عوام و خواص کیلئے نافع بنائے اور قبولیت سے نوازے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وانا العبد الاواه

محمد رحمت اللہ

عفا اللہ عنہ وعافاہ

دارالعلوم رحیمہ بانڈی پورہ کشمیر

۱۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ



## اپنی بات

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء  
والمرسلين وعلى اله الطيبين الطاهرين اما بعد

دعوت و تبلیغ کے نام سے جو محنت پورے عالم میں ہو رہی ہے محتاج تعارف نہیں۔  
ہر خاص و عام اس سے بخوبی واقف ہو چکا ہے۔ اپنوں اور غیروں بھی نے اعتراف کیا کہ  
اس عظیم محنت کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی میں زبردست انقلاب آیا۔ کتنے ہی لوگ جو  
فسق و فجور میں مبتلا تھے اور بڑبڑے گناہوں کے عادی ہو چکے تھے، اس تبلیغ کی برکت سے  
سچے پکے مسلمان بن گئے ایک تبلیغی ساتھی خود اپنی کارگزاری اس طرح سناتا ہے کہ میں  
صرف عید کی نماز پڑھا کرتا تھا وہ بھی عید کی خوشی کے شوق میں نہ کہ خدا کے خوف سے اور نہ  
ہی اس جذبہ سے کہ یہ اہم فریضہ ہے اس کے علاوہ مجھے دین اسلام کے ساتھ کچھ بھی وابستگی  
نہ تھی۔ ایک جماعت ہمارے گاؤں میں آئی جن کی زبان انگریزی تھی۔ بوقت گشت ان کی  
ترجمانی کیلئے مجھے منتخب کیا گیا کیونکہ میرے علاوہ کوئی شخص ترجمانی کیلئے ان کو اس وقت میسر  
نہ ہوا۔ مجبوراً مجھے ان کے ساتھ گشت کیلئے نکلنا پڑا۔ جو مجھ پر بہت شاق گذرا۔ لیکن اللہ تعالیٰ  
کو کچھ اور ہی منظور تھا یہی ترجمانی دعوت و تبلیغ کے ساتھ میرے جڑنے کا باعث بنی۔ اب  
بفضل اللہ وہ صاحب نماز، روزہ زکوٰۃ اور دیگر احکامات شرعیہ کے پابند ہیں۔ اور الحمد للہ  
جوانی کے زمانہ میں ہی دونوں میاں بیوی حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کر چکے



ہیں۔ اور قرن پاک کا معتد بہ حصہ بھی زبانی یاد کر چکا ہے جبکہ جماعت میں نکلنے سے پہلے الم تر کیف بھی یاد نہ تھا اور تبلیغ میں وقت لگانے کے دوران ایک ساتھی نے سفر کی حالت میں ہی راستہ چلنے کا وقت کام میں لایا اور یہ سورت یعنی الفیل اسی حال میں یاد کرائی۔ دینی معلومات کے سلسلہ میں کتابوں کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ بھی جمع کر چکا ہے سودی لین دین بھی ترک کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کا مقصد صرف نماز ہی کی تبلیغ نہیں جیسا کہ دیکھنے والوں کو مغالطہ ہو رہا ہے بلکہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں ایمان والی زندگی کو عام کرنا ہے اور تمام رسومات اور بدعات سے امت کو قطعی طور پر بچانا ہے۔ چنانچہ اس کام میں لگے ہوئے بہت سے احباب کی شادی اور غمی کے موقع پر دیکھا گیا کہ بالکل سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ ان کے نکاح ہوئے یا غم کا مرحلہ طے ہوا۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا بھی پروا نہ کی گئی۔ اس وقت مغربی تہذیب کی یلغار اور مغربی کلچر کو سینے سے لگانے کو فخر اور کامیابی اور ترقی کا ذریعہ سمجھنے کے باوجود یہ سیدھے سادھے تبلیغی احباب اپنے لباس اور اپنی وضع قطع کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کو اپنی عزت اور کامیابی تصور کرتے ہیں جبکہ اس دور میں عامل بر سنت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور اس پر قد امت پسند اور دقیانوسی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اور امت کا ایک بڑا طبقہ وہ ہے جنہیں دین کے ساتھ بظاہر تعلق نہیں نہ وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ وہ صرف روٹی، کپڑا اور مکان کے حصول اور اس میں ترقی کرنے کو انسانیت کی معراج سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں جس شخص کے پاس یہ چیزیں جتنی زیادہ ہوں وہ اتنا ہی معزز اور کامیاب اور کامران ہے۔ لہذا ان کی نظر میں فکر آخرت اور حشر کی ہولناکیوں سے بچنے کی تیاری، عذاب قبر سے نجات کی فکر کے سلسلہ میں تذکرہ اور اس کے لئے محنت گویا ترقی میں رکاوٹ کا سبب ہے اسلئے یہ تذکرہ اور تذکرہ کرنے والے ان کی نگاہ میں قابل رحم ہیں۔ اور ناقابل



التفات ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایسا پسماندہ BACKWARD طبقہ ہے جو راکٹ اور ہائیڈروجن بم کے اس زمانے میں اونٹ اور ابابیل کی باتیں کرتا ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا جب تبلیغی جماعت والے ان کے پاس دین کی بات سمجھانے کے لئے گئے اور پھر واپس ہوئے تو ان لوگوں کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ہوتی ہے کیوں کہ وہ ان سیدھے سادھے حضرات کو ناداں اور کم فہم تصور کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرمانا چاہتے ہیں یہی ملاقات اسکی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے جیسا کہ وہ شخص جس کا حال مذکور ہوا جو عید کی نماز پڑھنے کے علاوہ دین سے اور شریعت سے کوسوں دور تھا۔ نہ معلوم اس طرح سے کتنے بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائی ہوگی اور دین کی اعلیٰ محنت کے لئے قبول فرمایا ہوگا جو یقیناً ہر مسلمان کے لئے خوشی کا مقام ہے کہ رفتہ رفتہ مسلمان عملی زندگی کے دائرہ میں آ رہا ہے۔ اور غیروں کے طریقہ زندگی سے نکل رہا ہے۔ ایک طرف تو خوشی ہے لیکن دوسری طرف اس بات کا افسوس ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے احباب کو اپنے بعض مسلمان بھائی ہی طرح طرح سے اشکالات اور اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں تاکہ ان کے حوصلے پست ہوں اور اس کام کو چھوڑ کر پھر وہی پرانی فسق و فجور والی زندگی کی طرف لوٹ آئیں کیوں کہ جو شخص تبلیغ کے ساتھ لگ جاتا ہے بستی والے اس سے ناخوش ہوتے ہیں اور دوسرے نوجوان جن کے قیمتی اوقات دن میں کھیل کے میدانوں میں سینما بینسی، جوا، لاٹری، آوارہ گردی، رشوت ستانی دھوکہ فریب حتیٰ کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر باطل کی محنت کرنے اور رات کے اوقات لہو و لعب میں صرف ہوتے ہیں ان سے انکو کوئی گلہ اور شکوہ نہیں۔ اور نہ ان پر کوئی اشکال ہے۔



چونکہ تبلیغ سے وابستہ حضرات کی اکثر تعداد عوام ہی کی ہے۔ اس لئے وہ سیدھے سادھے لوگ انکے لئے سیدھے اعتراضات سن کر الجھن اور تشویش میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ان کے اشکالات کو دور کر کے انکی آخرت کا فکر کرتے ہیں۔ احقر کے پاس بھی بارہا تبلیغی احباب آتے رہے اور ایسے لوگوں کے اشکالات کا جواب طلب کرتے تھے آخر کار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ایک کتابچہ اس سلسلہ میں ترتیب دیا جائے۔ تاکہ ایسے لوگوں کے لئے جو محض غلط فہمی کی بنا پر اشکالات کا شکار ہوتے رہتے ہیں کی تشفی کا باعث ہو کر انکی دینی رہنمائی کا ذریعہ بن سکے۔ رہے وہ حضرات جو جان بوجھ کر یا توڑ مروڑ کر صحیح بات کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہ ہی ہمارے مخاطب ہیں نہ ہی ان سے بحث و مباحثہ مطلوب ہے۔ بلکہ راہ حق کے متلاشی، طالب صادق کے لئے ہم صحیح بات کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ پر اعتراضات نہ صرف وادی کشمیر بلکہ بیرون کشمیر بھی ہوتے رہتے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اشکالات، اعتراضات یا غلط فہمیوں کا جواب دینا خود اس کے اصولوں کے خلاف ہے دعوت کے ذمہ دارن کا جواب ہر اعتراض پر یہ ہوتا ہے کہ خود وقت لگا کر کام کو اس کی نہج کو اور اس کے طریقہ کار کو اور ضرورت و افادیت کو دیکھو یہی ہر الجھن کا جواب ہے اس حقیقت کے باوجود علمائے کرام جو دعوت کے افادیت سے واقف ہیں ہمیشہ جواب دیتے آئے ہیں۔ اسی اسوہ کی بنا پر یہ مجموعہ ترتیب دینے کی تحریض ملی۔ اس لئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اپنے طرف سے جواب لکھنے کے بجائے علمائے کرام کے جوابات جو مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں ایک جگہ جمع کر لوں۔ اس سلسلہ میں عام فہم اور وافر مواد حضرت سیدی مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم ہند کے مجموعہ فتاویٰ ”فتاویٰ محمودیہ“ میں ملا۔ اس کتابچہ کا اکثر حصہ انہی کے فتاویٰ سے ماخوذ ہے۔ البتہ کچھ سوالات دوسری



کتب اور دوسرے علماء حضرات کے قلم سے سے ہیں۔ جس کا حوالہ اپنی اپنی جگہ پر دیا گیا ہے نیز مولانا مودودی صاحبؒ کے مضمون کا ایک حصہ بعینہ نقل کر دیا جو بہت پہلے ”ترجمان القرآن“ میں بھی شائع ہو چکا تھا جو تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں جوان لوگوں کے لئے جو ان کی تحریروں کا اثر اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اہمیت کا حامل ہے۔ آخر میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں چند بشارتیں تختہ مسک کے عنوان کے تحت درج کر دی گئیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس حقیر خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے عظیم نفع عطا فرمائے اور احقر مرتب کیلئے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنادے اور عزیزان مولوی حافظ اویس احمد قاسمی، مولوی حافظ سجاد حسین، مفتی حافظ فرحت احمد قاسمی جنہوں نے کتابت اور ترتیب میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا جس پر ان کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید الداعین و ختم المرسلین محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین وانا العبد الفقیر محتاج الی رحمة اللہ العلی القدیر

محمد ایوب عفا اللہ عنہ  
خادم دارالعلوم الاسلامیہ پنجورہ شوپیان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ آمَّا بَعْدُ!

## تعلیم و تبلیغ کی ضرورت

سوال :- دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس یا پچیس ہزار کم و بیش انبیاء علیہم السلام آئے اور سب نے دین حق کی دعوت دی اور گشت کیا۔ یہ گشت کرنا سنت ہے یا نہیں؟ مبلغین حضرات اکثر اپنے گشت کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گشت کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔ اور اس گشت کو کرنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی اس کی فضیلت سات لاکھ ہو جائے گی۔ لفظ گشت کرنا سنت ہے۔ یہ کیسے ثابت کیا جائے؟ حوالہ حدیث سے دیں۔

﴿۲﴾ اللہ کے راستے میں نکل کر ہر نیک عمل سات لاکھ بن جاتا ہے۔ نماز، ذکر، قرآن اور ہر نیکی سات لاکھ بن جاتی ہے۔ نظام الدین مرکز کے اکابرین کہتے ہیں کہ یہ چودہ روایتوں سے منقول ہے۔ مسند احمد، مشکوٰۃ شریف، ترغیب و ترہیب کا حوالہ دیتے ہیں۔

﴿۳﴾ کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ حضور ﷺ نے کلمہ، نماز کی دعوت و دین حق کی دعوت مسلمانوں کو دی تھی یا کفار کو۔ اور یہ تبلیغی مسلمانوں کو کلمہ اور نماز پڑھاتے پھرتے ہیں۔ کیا مبلغین اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں یہ شک کرتے ہیں اور صرف اپنے آپکو ہی مسلمان سمجھتے ہیں، تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اللہ کے رسول ﷺ کے کاموں میں تبلیغ بھی ہے اور تعلیم بھی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ (الآیۃ) سورہ مائدہ۔



ترجمہ:- اے رسول (ﷺ) جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الآیة) سورہ آل عمران

ترجمہ:- حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دونوں ہی کام کئے ہیں تبلیغ کے لئے دوسروں کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ اور تعلیم کے لئے دوسرے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ تبلیغ کے معنی ہیں پہونچانا۔ اسکے لئے مبلغ کو جانا بھی ہوتا ہے۔ تعلیم کے معنی ہیں علم سکھانا۔ اس کے لئے سیکھنے والے کو معلم کے پاس آنا ہوتا ہے۔ یہ دونوں کام امت کے سپرد بھی فرمائے بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً اٰخِر خطبہ میں ارشاد فرمایا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (الحديث) یعنی جو شخص حاضر ہے، جس نے براہ راست مجھ سے دین سیکھا ہے وہ غائب تک پہونچا دے۔ دین کے ہر ہر جز اور حکم کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔ اس لئے کہ دین کا ہر حکم امانت ہے اس کا پہونچانا ضروری ہے بعض چیزیں ایسی بھی تھیں کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بالکل اپنی اخیر حیات میں بیان فرمائی ہیں کہ کہیں یہ امانت ہمارے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جس نے ایک دفعہ صدق دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ مومن کامل ہو گیا اس کا درجہ ا



تابلند ہے کہ بعد والوں کو میسر نہیں پھر اس کے دل میں ایسی لگن پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ سارا دین سیکھنے کے لئے تیار ہو جاتا تھا اور بے چین رہتا تھا اور خود حاضر ہو کر یا جس طرح سے بھی اس کو ممکن ہو دین سیکھتا تھا ایک ایک حکم بتانے اور پہونچانے کے لئے اس کے پاس جانے کی نوبت نہیں آتی تھی تاہم بعض احکام دوسروں تک پہونچانے کے انتظامات بھی کئے کسی کو متعین کیا کہ گشت کر کے فلاں حکم پہونچا دو کبھی لوگوں کو بلا کر جمع کر لیا گیا پھر حکم سنا دیا گیا۔ کبھی حج کے موقع پر آدمی بھیجے گئے کہ فلاں حکم کا اعلان کر دو وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم سب ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو لا الہ الا اللہ پڑھکر اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ ان حضرات میں ایمان موجود نہیں تھا۔ یہاں دارالعلوم میں بھی بعض حضرات معلم ہیں، ان کی درسگاہ میں علم سیکھنے کے لئے طلبہ حاضر ہوتے ہیں اور بعض حضرات مبلغ ہیں کہ وہ مختلف مقامات پر خود سفر کر کے جاتے ہیں اور دین پہونچاتے ہیں آج یہ بات نہیں کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا اس میں دین سیکھنے کی لگن پیدا ہو جائے یا وہ خود اپنی جگہ ایمان کی تجدید میں لگا رہے عربی مدارس جگہ جگہ خدا کے فضل سے قائم ہیں تعلیم کا انتظام ہے مگر دین کی لگن نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم آدمی اپنے بچوں کو علم سیکھنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ مسجدیں ویران ہیں مسلمانوں کا محلہ ہونے کے باوجود کتنی مساجد ایسی ہیں جن میں اذان و جماعت کا اہتمام نہیں کسی مسجد میں تنہا ایک شخص اذان کہتا ہے اور نماز پڑھ لیتا ہے۔ کسی میں دو تین نمازی ہو جاتے ہیں۔ ضلع کے ضلع ایسے ملیں گے جن میں کوئی عالم نہیں، حافظ نہیں۔ بہت علاقے ایسے ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کو دین کی بنیادی چیزیں کلمہ وغیرہ بھی معلوم نہیں، صورت شکل چال چلن، رسم و رواج کسی چیز سے بھی اسلام ظاہر نہیں ہوتا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے اور وہاں خبر



تک نہیں ہوتی پانچ وقت کی نماز ہی غائب ہے۔ تو پھر تراویح کا کیا ذکر ہے۔ ہوٹل کھلے ہوئے ہیں اور خدا کے قانون روزہ کو علی الاعلان توڑا جا رہا ہے۔ ان سب حالات کے پیش نظر دین حاصل کرنے کے لگن کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس تبلیغ کا حاصل یہی ہے کہ دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ کلمہ پڑھنے اور پڑھانے سے یہ ہرگز تصور نہ کریں کہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ کلمہ پڑھ کر اور پڑھا کر اس کا مطلب اور مطالبہ سمجھایا جاتا ہے اور جن کو کلمہ یاد نہیں ان کا کلمہ صحیح کرایا جاتا ہے، جن کو نماز یاد نہیں ان کو نماز یاد کرائی جاتی ہے جن کو مطلب یاد نہیں ان کو مطلب سمجھایا جاتا ہے، اس کی بدولت بی شمار آدمی کلمہ سیکھ گئے نمازیں سیکھ گئے، نمازیں پڑھنے لگیں، حج میں کام کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا حج صحیح طریقہ پر ادا ہونے لگا لوگوں میں دین کا عام چرچا ہو گیا، جگہ جگہ دینی مکتب و مدرسے قائم ہو گئے۔ بڑی عمر کے لوگوں میں دین سیکھنے کے لئے سفر کرنے کا رواج ہو گیا۔ بکثرت لوگ زکوٰۃ دینے لگے، حرام معاملات سے پرہیز کرنے لگے، خدا کے راستے میں جدوجہد کے لئے جو شخص نکلے اس کے واسطے ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ والی حدیث حضرت علی، ابو الدرداء، ابو ہریرہ، ابو امامہ، ابن عمر، جابر، عمران بن حسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وَمَنْ ارْسَلَ بِتَفَقُّةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاَقَامَ فِي بَيْتِهِ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاَنْفَقَ فِي وَجْهِهِ ذَالِكَ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفٍ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ۔

(ترجمہ از مرتب) جو شخص اللہ کی راہ میں (جانے کے لئے کسی کو) خرچہ دیدے اور خود وہ (کسی عذر کی بناء پر نہ جاسکا اور) گھر میں رک گیا (تب بھی اسکو ہر درہم پر سات



سودرہم کا ثواب ملے گا۔ اور جس شخص نے خود اللہ کی راہ میں جہاد میں شرکت کی اور اس نے اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا تو اس کو بھی ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ ترجمہ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے۔

اس مضمون کی اور حدیثیں بھی ہیں جمع الفوائد صفحہ ۳ جلد ۲۔ مجمع الفوائد منبع الفوائد صفحہ ۲۸۲ جلد ۵ میں ملاحظہ فرمائیں یہ روایات اصالتاً غزوہ اور جہاد سے متعلق ہیں مگر جہاد کا مفہوم قتال سے عام ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)

## تبلیغ و تعلیم

سوال: اہل علم حضرات کا تبلیغی کام میں لگنا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں۔ دینی رجحانات پامال ہو چکے ہیں، مدارس جو چل رہے تھے وہ ٹوٹ رہے ہیں۔ خانقاہیں ویران ہو رہی ہیں، دینی رجحانات اگر عام ہو جاویں تو سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس اعتبار سے وقتی طور پر اہل علم حضرات کا تبلیغ میں لگ کر دینی رجحان پیدا کر کے ہزار ہا مدارس و خانقاہوں کو آباد کر دینا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں لگنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے جس سے مدارس کو طلباء بھی کثرت سے ملیں اور خانقاہوں کو ذاکرین بھی کثرت سے ملیں۔ اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو۔ اہل مدارس اور اہل علم حضرات کو حسب موقع تعاون کرنا چاہئے۔ اگر اس میں کوتاہی اور خلاف اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کی تصحیح کریں، اصلاح فرمائیں۔ اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ



خانقاہوں اور مدارس کا پورا احترام کریں اور اپنی اصلاح کے لئے ان حضرات سے مشورہ لیں، اور ان کی ہدایات کو دل و جان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشغلہ کو ترک کر دیں اور مدارس و خانقاہوں کو بند کر کے تبلیغ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ دینی مدارس کا قیام از حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ محض کتابیں پڑھنے سے تزکیہ باطن نہیں ہوتا، اور بغیر اخلاق و ذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمال صالحہ کی۔ تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بے جان ڈھانچہ۔ اخلاص اکابر اہل اللہ کی صحبت اور ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مرفوع ہے لِكُلِّ شَيْءٍ مَّعْدَنٌ وَمَعْدَنُ التَّقْوَى قُلُوبُ الْعَارِفِينَ۔ (ترجمہ از مرتب)۔ ہر چیز کی ایک کان ہوتی ہے اور تقویٰ کی کان عارفین کے قلوب ہیں۔ (جمع الفوائد) (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)

## مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت

سوال: رسول اللہ ﷺ کفار کے پاس تبلیغ کے لئے جاتے تھے اور آج کل لوگ مسلمانوں کو تبلیغ کرتے ہیں کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں میں اس طرح چل کر تبلیغ کی ہے جیسے کہ آج کل تبلیغ کرتے ہیں۔ اس قسم کی روایتیں اگر مشکوٰۃ شریف یا بخاری شریف میں ہوں تو مع باب و صفحہ مطلع فرمائیں!

الجواب حامداً ومصلیاً: کوفہ اور قرقیہ میں جماعت صحابہ کا تبلیغ کے لئے جانا فتح التذکر کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن



مغفل رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی جماعت کو بصرہ اور عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ، و ابودرداء رضی اللہ عنہ کی جماعت کو شام بھیجا۔ یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں جیسا کہ ازالۃ الخفاء جلد ۲ میں مذکور ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تبلیغ کرنا

سوال :۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تو اس قسم کی تبلیغ کو کیا کہیں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً: ان حضرات نے بھی دین سیکھنے اور اس کو پھیلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ وہ بڑے انہماک سے یہ کام کرتے تھے۔ جماعتیں بھی نکلتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ازالة الخفاء اور حیات الصحابہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ڈیڑھ ہزار کی جماعت لے کر کوفہ تشریف لے گئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)

موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت

سوال: آج کل جو تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے اس جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک امیر جماعت، متکلم، اور رہبر مقرر کئے جاتے ہیں اور امیر کے ماتحت جماعت قریہ بقریہ، شہر بشہر کام کر رہی ہے، یہ طریقہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں یا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تھا یا نہیں اگر اس زمانہ میں یہ طریقہ تبلیغ موجودہ زمانہ کی تبلیغ کے مطابق نہ ہو تو یہ کام جو نیا ایجاد کیا گیا ہے کس امر میں داخل ہے۔ یعنی بدعت ہے یا بدعت حسنہ ہے؟ معلوم کریں، آیا ہم لوگوں کو صرف امت مسلمہ ہی کو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہئے یا غیر اقوام میں بھی اسلام کی تبلیغ کرنا لازم



ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: نفس تبلیغ کا حکم تو کتاب وسنت میں موجود ہے اور ہر زمانہ میں اس پر عمل بھی ہوتا رہا البتہ ہر زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے قلوب میں مفید طریقے القاء فرماتے رہے ہیں حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوتے اور وہ احادیث سناتے، مسائل بتایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں ممبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے تھے، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو خطبہ شروع ہونے سے پہلے احادیث سنایا کرتے تھے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی مستقلاً تبلیغ کیا کرتے تھے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیج دیجئے تبلیغ کے لئے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجا تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ڈیڑھ ہزار کے قریب اپنے تلامذہ کو لے کر تشریف لے گئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ احادیث کو لکھا گیا، اور کتابی شکل دی گئی جگہ جگہ حدیث سنانے کے حلقے ہوتے تھے، بعض محدثین کے حلقہ میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زائد آدمی موجود رہتے تھے (یہ سب مخاطبین مسلمان ہی تھے) پھر ایک وقت آیا کہ مشائخ نے تصوف اور توجہ باطن کے ذریعہ تبلیغ کی، علماء نے مدارس قائم کئے، واعظین نے وعظ کہے، غرض یہ امت کسی وقت بھی مجموعی حیثیت سے نفس تبلیغ سے کلیۃً غافل نہیں رہی اور ہر طریقہ تبلیغ نہایت موثر و مفید ثابت ہوا۔ ان میں کوئی طریقہ غلط نہیں، آج کے دور میں تبلیغی جماعت کا طریقہ اصول کی پابندی کے ساتھ نہایت موثر و مفید ہے، جس طرح مدارس کے عمل کو نیا طریقہ کہہ



کر غلط نہیں کہا جاسکتا اسی طرح تبلیغ کے اس طریقہ کو نیا طریقہ کہہ کر غلط نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمان کا اپنے اسلام میں پختہ ہونا لازم ہے پھر اس کی غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ خود ہی اس طرف مائل ہو جائے۔ موجودہ جملہ طرق تبلیغ سے غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے اور مستقلاً بھی ان میں تبلیغ کی ضرورت ہے اور اس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

## چلہ کی اصلیت

سوال :- تبلیغ والے چلہ میں نکلنے پر بہت زور دیتے ہیں، کیا چلہ کی کوئی اصلیت ہے؟ کہ جس کی بنا پر یہ لوگ چلہ لگانے کے لئے کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:۔ چلہ یعنی چالیس دن لگاتار عمل کی بہت برکت اور تاثیر ہے چالیس دن تک عمل کرنے سے روح اور باطن پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر چالیس یوم کا اعتکاف کیا اس کے بعد آپ کو تورات ملی، صوفیائے کرام کے یہاں بھی چلہ کا اہتمام ہے لہذا یہ بالکل بے اصل نہیں ہے ایک حدیث میں ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مَنْ صَلَّى لِلَّهِ اَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْاُولٰی كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ تَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ جس شخص نے صرف خدا کی رضا مندی کے لئے چالیس دن تکبیر اُولی کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لئے دو پروانے لکھے جاتے ہیں ایک پروانہ جہنم سے نجات کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا (ترمذی شریف صفحہ ۳۳ جلد ۱) (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۲ باب ما علی الماسوم من المتابعة وحکم المسبوق - الفصل الثانی) اس سے معلوم ہوا



کہ چلہ کو حالات کے بدلنے میں خاص اثر ہے۔ دیکھئے! جب نطفہ رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو پہلے چلہ میں وہ نطفہ علقہ (یعنی بندھا ہوا خون) بنتا ہے اور دوسرے چلہ میں وہ علقہ مُضْغَہ (گوشت کی بوٹی بنتا ہے، اور تیسرے چلہ میں اس مضغہ کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا جاتا ہے اور ان ہڈیوں پر گوشت چڑھتا ہے، پھر اس کے بعد (یعنی تین چلوں کے بعد جس کے چار ماہ ہوتے ہیں) اس میں جان پڑتی ہے (بیان القرآن)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا اور اس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا، وہ عورت بڑی پاکدامن، عقیفہ اور سمجھدار تھی اس نے اس شخص کو کہلوا یا کہ چالیس دن تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھو اس کے بعد فیصلہ ہوگا، اس نے چالیس دن تک اسی طرح نماز پڑھی تو اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کا عشق مجازی عشق حقیقی سے بدل گیا، ابھی تک وہ اس عورت کا عاشق تھا اب اللہ کا عاشق ہو گیا اور عشق بھی ایسا کہ اللہ کی محبت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا صدق اللہ ورسولہ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر بیشک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا یقیناً نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۶)

## تبلیغی چلہ وغیرہ کا مآخذ

سوال: علماء اہل سنت والجماعت مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں (۱) متعارف تبلیغی جماعت کا اصول شریعت کے مطابق کیا حکم ہے (۲) جماعت میں جو چلہ ہوتا ہے دین میں اسکی کوئی اصل ہے؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً: دین کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ دین سیکھنے



کے لئے جس کو سہولت ہے کہ مدارس دینی میں داخل ہو کر باقاعدہ پوارنصاب پڑھے تو وہ یہی صورت اختیار کر لے جس کے پاس اتنا وقت نہیں یا اتنی مالی وسعت نہیں یا عمر زائد ہو چکی یا حافظہ ذہن ایسا نہیں تو وہ خواہ خود اتنا آہستہ آہستہ اہل دین سے زبانی سیکھے یا کتاب کے ذریعے سیکھے یا اہل دین کی تقریر سے سیکھے غرض جو صورت اسکے قابو کی ہو اسکو اختیار کرے۔ اس مقصد کے لئے تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں، دہلی نظام الدین بڑا مرکز ہے، ان جماعتوں میں ان پڑھ، کاشتکار، مزدور، تاجر، ملازمت پیشہ، اہل صنعت، کارخانہ دار، اہل علم، گریجویٹ، ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں، اپنے مصارف سے سفر کرتے ہیں، کوئی ایک دن کے لئے نکلا، کوئی دو دن، تین دن، دس دن، بیس دن چالیس دن، چار مہینے، سال بھر تین سال کے لئے جس کو جتنا وقت ملا وہ نکلا، ہر فرد اپنے سے بڑے سے سیکھتا ہے اور چھوٹے کو سکھاتا ہے کسی نے کلمہ سیکھا، کسی نے نماز سیکھی، کسی نے قرآن کریم کی سورتیں سیکھیں کسی نے ترجمہ و مطلب سیکھا کسی نے حدیثیں سیکھیں پھر یہ لوگ گشت کیلئے نکلتے ہیں، اور اپنے بھائیوں کے پاس جا کر نہایت ہمدردی و دلسوزی سے ان کی خوشامد کر کے ان کو مسجد لاتے ہیں، دین کی اہمیت بتلاتے ہیں نماز کی طرف توجہ دلاتے ہیں، کوئی وضو کراتا ہے کوئی الحمد یاد کراتا ہے کوئی قل ہو اللہ احد، یاد کراتا ہے کوئی تشہد یاد کراتا ہے، مسجد میں عموماً رات گزارتے ہیں اعتکاف کی نیت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، تہجد کا سب کو عادی بناتے ہیں دعا میں روتے ہیں، پیدل سفر کرتے ہیں گاؤں درگاؤں پھرتے ہیں بس اور ٹرین سے بھی سفر کرتے ہیں ہر جگہ اپنا مشغلہ (سیکھنا سکھانا) جاری رکھتے ہیں، جہازوں میں بھی، حجاج میں بھی کام کرتے ہیں بندرگاہ پر، جدہ میں، مکہ مکرمہ میں منی میں، عرفات میں، مدینہ منورہ میں سب جگہ یہ جماعتیں کام کرتی ہیں، بیرون ہند، دیگر ممالک، اسلامیہ و غیر اسلامیہ میں بھی جاتی



ہیں، ان جماعتوں کی مساعی سے بہت بڑی تعداد نے پورا علم دین حاصل کیا، بہت بڑی تعداد نمازی بن گئی، روزہ رکھنے لگی، باقاعدہ زکوٰۃ دینے لگی، صحیح طریقے پر حج ادا کرنے لگی، اس جماعت کی بدولت بہت سی بدعات ختم ہو گئیں، سنت پر لوگوں نے عمل شروع کر دیا، بہت سے ان پڑھوں کو دیکھا کہ ہزاروں حدیثوں کے مطالب ان کو یاد ہو گئے عالم نہ ہونے کے باوجود ان کی طویل طویل تقریر و گفتگو میں حدیث شریف کے مضامین ہوتے ہیں صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ نطفہ رحم میں چالیس روز گزرنے پر علقہ بنتا ہے پھر چالیس روز گزرنے پر مضغہ بنتا ہے پھر چالیس روز گزرنے پر اسکی روزی، عمر، وغیرہ لکھ دی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تبدیل طبیعت میں چلہ کو بڑا دخل ہے، نیز چالیس روز نماز میں جماعت کے ساتھ مکمل طور پر ادا کرنے سے نار و نفاق سے برأت کی بشارت بھی وارد ہوئی ہے اور چالیس روز تک مسلسل عمل صالحہ کرنے پر علم عطا ہونے کی بھی بشارت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ شادی سے پہلے مسجد میں سویا کرتے تھے، معتکف کے لئے کھانے پینے اور سونے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، اس جماعت کو چھ نمبر یاد کرائے جاتے ہیں، کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اس کے الفاظ کو صحیح یاد کریں، اس کا ترجمہ سیکھیں، اس کا مطلب وضاحت سے سمجھیں، اس کے مطالبہ کو پورا کریں، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، تصحیح نیت، ترک مالا یعنی، ان جملہ امور کو سمجھنے ذہن نشین کرنے، عملی مشق کرنے اور دوسرے بھائیوں تک پہنچانے کے لئے جماعتیں نکلتی ہیں کیونکہ اپنی جگہ اور اپنے مشاغل زراعت و حرفت وغیرہ میں رہتے ہوئے ان امور کی تکمیل دشوار ہوتی ہے اس طرح جماعت بنا کر نکلنے میں ناموافق لوگوں کے اخلاق و افعال پر صبر و تحمل، رفقاء کے لئے ایثار و ہمدردی، عامہ مخلوق کے لئے خیر خواہی و احسان، بڑوں کا اعزاز و احترام چھوٹوں



پر شفقت و مہربانی، امیر کی اطاعت و فرمانبرداری، ماتحتوں کی نگرانی و نگرانی باہمی مشورہ کی اہمیت و عادت وغیرہ وغیرہ بیشمار اخلاق و تعلیمات نبویہ کی آہستہ آہستہ مشق ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ تمام دین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے اور دین کی خاطر سرکھپانے، محنت کرنے کا جذبہ مستحکم ہوتا ہے ایسی جماعتوں اور ان کے بانیوں کو کافر کہنا نہایت خطرناک ہے جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں وہ اپنے ایمان کی فکر کریں کیونکہ حدیث شریف میں مذکور ہے جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ کافر نہیں ہے تو اس کو کافر کہنے کا وبال اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا اور آپ صادق و مصدوق ہیں، کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک رہتا ہے پھر اسی طرح چالیس روز تک علقہ کی صورت میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جس کو چار چیزوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے رزق کا اور موت کا اور اس بات کا کہ وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت، (الحديث صحيح البخاري صفحه ۹۷۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے چالیس روز تک نماز با جماعت اس طرح ادا کی کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے دو برائتیں لکھ دیتے ہیں ایک برات آگ سے اور ایک نفاق سے۔ (ترمذی جمع الفوائد جلد ۱ صفحہ ۲۳۴) جس شخص نے چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کا معاملہ کیا تو اسکے دل سے اسکی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

## تبلیغی چلہ کا حکم

سوال: مروجہ تبلیغی جماعت جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہیں، لوگوں کو



چلہ یعنی چالیس دنوں کا انتظام کر کے تربیت دیتی ہے آیا چلہ کی یہ رسم بدعت ہے یا مستحسن؟  
الجواب حامداً ومصلیاً: جس نیک کام پر چالیس روز پابندی کی جائے اس پر بہت اچھے  
ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اس کام سے خاصی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات حدیث  
شریف سے ثابت ہے اور بہت سے اکابر و مشائخ کا تجربہ بھی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)

## چلہ کے فوائد

سوال: تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جماعت لوگوں کو باہر  
نکلنے پر کیوں مجبور کرتی ہے۔ کیا باہر نکلنا اور چلہ دینا ضروری ہے اس جماعت کے بانی کی  
اس تحریک کے ذریعہ کوئی نئی قوم تیار کرنا چاہتے تھے۔ اس سے انکی مراد کیا تھی؟  
الجواب حامداً ومصلیاً: دہلی نظام الدین مرکز تبلیغ مسجد بنگلہ سے جو جماعتیں تبلیغ کے  
لئے جاتی ہیں۔ ان کے لئے ایک دستور العمل موجود ہے ایک چھوٹا سا کتابچہ چھپا ہوا ہے  
جس کا نام ہے ”چھ باتیں“ ان چھ باتوں کو سیکھنے، سمجھنے، صحیح کرنے، دل میں جمانے، زندگی  
میں جاری کرنے کیلئے لوگ نکلتے ہیں، اپنے اپنے خرچ کا ہر شخص خود ذمہ دار ہوتا ہے، کوئی  
ایک روز کے لئے، کوئی تین دن کیلئے، کوئی دس دن کیلئے، کوئی ایک چلہ کے لئے، کوئی تین  
چلوں کے لئے، کوئی سال بھر کیلئے نکلتا ہے، بعضوں نے پوری زندگی ہی اسی مقصد کے لئے  
دیدی، اس طریقہ پر نکلنے سے عقائد بھی درست ہوتے ہیں، اخلاق و اعمال کی بھی اصلاح  
ہوتی ہے جس سے دین پختہ ہوتا ہے غلط چیزیں چھوٹی ہیں، مثلاً جو شخص ایک چلہ کے لئے  
نکلا وہ اس مدت میں نماز باجماعت کا پابند ہو جائیگا قرآن کریم کا بھی حسب حیثیت کچھ نہ  
کچھ حصہ حاصل کر لے گا، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، شراب نوشی، جھوٹ، غنیمت، بہتان  
بدخواہی، حسد وغیرہ برائیوں سے محفوظ رہیگا، چلہ سے واپسی پر بھی امید ہے کہ دیر تک



اثرات باقی رہیں گے۔ پھر کچھ مدت بعد دوبارہ چلہ کے لئے نکلا تو پہلے چلہ کی باتوں میں پختگی آئے گی۔ تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) سن کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرنے کا اچھا خاصا جذبہ پیدا ہوگا۔ غرض اس طرح جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دیگا اسی قدر زیادہ اصلاح ہوگی، دین قائم ہوگا، غلط باتوں سے بچے گا جو لوگ مالدار تاجر وغیرہ زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے وہ اس تبلیغ کی بدولت باقاعدہ پورا پورا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنے لگے ہیں۔ جن پر حج فرض تھا مگر ارادہ نہیں کرتے تھے وہ فضائل حج سن کر حج کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بلکہ عمرہ کرنے کے لئے بھی مستقل سفر کرنے لگے، جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم ہو گئے۔ جن سے قرآن کریم اور دینی تعلیم کو فروغ ہوا ہے۔

اچھی خاصی بڑی عمر والوں کو بھی جب تعلیمی حلقوں میں نماز سننے اور سنانے کی نوبت آئی اور اپنی غلطی پر اطلاع ہوئی تو وہ اصلاح کی فکر میں لگ گئے۔ نمازیں درست کرنے لگے، جو صرف الفاظ جانتے تھے انہوں نے معافی و مطالب کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی اس تبلیغ کی بدولت بہت سی احادیث کا مطلب یاد کر لیا۔ الغرض اس کے بیشمار منافع ہیں ریلوں میں، بسوں میں، جہازوں میں جماعتیں جاتی ہیں۔ ہر بندرگاہ پر حاجیوں میں کام کرتی ہیں، بلکہ مکہ مکرمہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ میں کام کرتی ہیں۔ بے شمار لوگوں کا حج اس تبلیغی کام کی بدولت صحیح اور شریعت کے مطابق ہونے لگا مختلف ممالک کے لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں، عرب میں بھی اجتماعات ہوتے ہیں، ترکی سوڈانی، یمنی، فلسطینی، شام، عراق، ہر جگہ کے لوگ آتے ہیں اور جماعتیں بنا کر نکلتے ہیں، الغرض کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں یہ کام نہ پہونچا ہو اسکی بدولت بہت بڑی مخلوق کی اصلاح ہوئی اور ہو رہی ہے۔ جو لوگ جماعت کے مخالف ہیں انہوں نے مستقل



گروہ بنا کر بڑے بڑے اجتماعات میں مخالفت اور فتنہ پردازی کے لئے بھیجے اس گروہ نے جب دین حق کی باتیں سنی اور عملی زندگی کو دیکھا تو وہ گروہ روپڑا اور بہت ندامت کے ساتھ اپنے غلط ارادوں سے توبہ کی اور جن لوگوں نے اس گروہ کو بھیجا تھا ان پر بہت زیادہ اظہارِ افسوس کیا کہ ہمیں ان لوگوں نے اندھیرے میں رکھا اور غلط باتیں بتائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

## کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے

سوال: آنجناب کو بخوبی علم ہوگا کہ مدت مدید سے تبلیغی جماعت کے نام سے ایک جماعت ہندوستان و بیرون ہندوستان میں تبلیغ کا کام کر رہی ہے اور اب تو اس کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے بفضلہ، غالباً شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا گوشہ ہوگا جہاں یہ کام نہ ہو رہا ہو بفضلہ تعالیٰ احقر کا بھی بار ہا اس سلسلہ میں کئی مقامات پر جانا ہوا ہے مگر عینی مشاہدہ ہوا ہے کہ جن لوگوں کو تبلیغی جماعت سے وابستگی کو ۲۰/۲۰/۲۵/۲۵ سال ہو گئے ان کے اندر نماز جیسی اہم ترین عبادت کے آداب و لوازمات خشوع و خضوع کی بات ذرا نہیں پائی گئی ان کا محور صرف چھ نمبر ہیں جو کہ زبانی سنا دیئے جاتے ہیں اور لوگوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ تم بھی زبانی یاد کرو اور عملی طور پر بس۔

اور ایک خاص بات یہ کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ نبیوں والا کام ہے کیا اس طریقہ پر حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ کا کام کیا ہے اگر ایسا ہے جیسا کہ یہ لوگ فرماتے ہیں تو ہمارے اسلاف کرام، علماء سابقین رحمہم اللہ علیہم اجمعین اس طریقہ تبلیغ کے تارک رہے ہیں۔ اور تارک سنت محمد ﷺ بھی رہے اور ایسا ہونا بعید از فہم



اور ناممکن ہے۔ براہ کرم جواب بالتفصیل دیجئے کہ کیا واقعی یہ نبیوں والا کام ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: چھ نمبروں کو زبانی سنا دینے اور دوسروں کو یاد کرا دینے پر کفایت کر لینا اور بقیہ اعمال و افعال سے صرف نظر کرنا بڑی کوتاہی ہے تبلیغ کا مقصد یہیں تک محدود نہیں ہر عمل صالح میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے جو کہ تمام اعمال صالحہ کی جان ہے۔ اعمال صالحہ کا سیکھنا بھی ضروری ہے ان پر پابندی بھی ضروری ہے ان میں اخلاص کی کوشش بھی ضروری ہے۔ بہت سے اللہ کے بندوں کو یہ دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے جو محروم رہتے ہیں وہ اپنی کوتاہی کی بناء پر محروم رہتے ہیں ان کو اس طرف توجہ اور اس میں محنت کی ضرورت ہے انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی محروم نہیں رہیں گے۔ ان چھ نمبروں کی کوشش کے ساتھ دیگر امور ضروریہ کی طرف بھی انکو توجہ دلانے کی ضرورت ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ تشریف لیجاتے ہی ہیں آپ ان کو متوجہ کیا کریں اس طرح دیگر اخلاص والے جائیں تو وہ بھی متوجہ کیا کریں۔ جو شخص شریک کار ہوتا ہے اسکی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے خدا نے چاہا تو آپ کا اجر بہت زیادہ ہو جائے گا۔ جتنے آدمیوں میں آپ کی کوشش سے اخلاص، خشوع، خضوع پیدا ہوگا وہ آپ کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائیگا۔ ہر جماعت کے امیر کو اگر توجہ دلائی جائے کہ وہ بار بار تنبیہ کرتے رہا کریں تو جلد نفع کی توقع ہے۔

انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے آقائے نامدار حضرت رسول اکرم ﷺ خصوصاً معلم بنا کر بھیجے گئے۔ اور دین سیکھنے اور سکھلانے کی ذمہ داری سب پر ڈالی گئی۔ پھر اسکے طریقے مختلف رہے شروع میں نہ آجکل کی طرح مدارس تھے نہ خانقاہیں تھیں، نہ کتابیں تصنیف کر نیکا سلسلہ تھا نہ وعظ و تقریر کے جلسے ہوتے تھے۔ نہ انجمنیں بنائیں دستور تھا بلکہ زبانی ہی سیکھنے اور سکھانے کا عموماً معمول تھا اصحاب صفہ نے بھی اسی طرح سیکھا اور جہاں



جہاں آدمی بھیجے گئے مثلاً حضرت ابودرداء حضرت عبادہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سب اسی طرح سکھاتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا وہ ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر گئے اور تمام علاقہ کوفہ میں دین سکھانیکا انتظام فرمایا پھر احادیث جمع کرنے اور سیکھنے کا رواج ہو گیا تو ان کے ذریعہ سے دین سیکھا سکھایا پھر مدارس قائم کئے گئے ان کے ذریعہ سے سیکھا سکھایا اور اس جیسے طریقے سب جائز ہیں اور مفید ثابت ہوئے لیکن اول اول جو طریقہ تھا وہ بلا کتاب کے ہی تھا اور ہر زمانہ میں بلا کتاب ہی سیکھنے اور سکھانے کا دستور باقی رہا اگرچہ قرن اولیٰ کی طرح نہیں تھا مگر فائدہ کبھی نہیں ہوا۔ اب تبلیغی جماعت کی مساعی سے اللہ پاک نے پھر اس طریقہ کو رواج عام دیدیا لہذا یہ کہنا بھی درست ہے کہ نبیوں والا کام ہے یعنی بغیر مدرسہ و کتاب کے زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا۔ اور اپنی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دینا طریقہ انبیاء ہے مگر دین سیکھنے کے جو دوسرے طریق ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں، اور اصول تبلیغ کے بھی خلاف ہے اس سے پورا پرہیز لازم ہے اور ہر مسلم کا اکرام اور علمی اور دینی خدمت کرنے والوں کا اکرام بھی لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

## تبلیغ کا ثواب

سوال: کہا جاتا ہے کہ تبلیغ میں نکل کر عمل کرنے سے ایک کو ساٹھ لاکھ نیکیاں ملیں گی اور ایک ساعت تبلیغ میں نکلنا ستر سال گھر بیٹھے عبادت کرنے سے بھی افضل ہے اور انکی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں جیسی قبول ہوتی ہیں اور ایک روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے



سے سات لاکھ روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے کی مقدار ثواب ملتا ہے۔ آیا یہ مفہوم بعینہ حدیث سے ثابت ہے اور یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ اگر حدیث میں ہے تو کیا وہ حدیث صحیح بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:۔ خروج فی سبیل اللہ میں ہر نیکی سات لاکھ نیکی کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ حدیث شریف الترغیب والترہیب میں حافظ عبدالعظیم منذری نے بیان کی ہے۔ اور اسکو معتبر و معتمد قرار دیا ہے خروج فی سبیل اللہ سے عامۃ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد فنا فی سبیل اللہ ہے۔ لیکن یہ لفظ خروج فی سبیل اللہ بہت عام ہے۔ دین کی ہر جدوجہد کیلئے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے۔ مثلاً علم دین سیکھنے کیلئے، وعظ کہنے کے لئے، اصلاح نفس کی خاطر کسی بزرگ کی خدمت میں جانے کے لئے، تبلیغ کے واسطے جماعت بنا کر نکلنے کیلئے، کہیں فساد ہو گیا ہو تو مظلوموں کی امداد کیلئے، اہل باطل کے فتنہ سے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر مناظرہ کرنے کیلئے یہ سب خروج فی سبیل اللہ ہے، حتیٰ کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جمعہ کے واسطے جانے کو بھی خروج فی سبیل اللہ تجویز فرمایا ہے۔ جیسا کہ ج ۱ ص ۱۲۴ میں ہے اپنے گھر بیٹھ کر دعا اور عبادت کرنے اور خدا کی راہ میں نکل کر دعا اور عبادت کرنے میں بھی بڑا فرق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اسی دین حق کی تبلیغ و اشاعت ہے، لہذا جس کی زندگی اس راہ سے زیادہ قریب ہوگی اس کو اسی قدر انبیاء علیہم السلام سے دعا و عبادت میں زیادہ قرب ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)

## تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ

سوال: موجودہ تبلیغ جماعت میں بارہا سنا گیا ہے کہ اس جماعت میں نکلنے سے جو عمل کیا



جاتا ہے وہ سات لاکھ گنا زیادہ ہوتا ہے یعنی ایک عمل گھر پر کیا گیا مثلاً ایک نماز گھر پر ادا کی گئی تو ایک ہی نماز کے اجر کا استحقاق ہے۔ اور اگر وہی نماز تبلیغی جماعت میں نکل کر ادا کی جائے تو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے اور اس کی کیا اصل ہے۔ اور جو فضائل احادیث شریف میں مجاہدین کے سلسلہ میں وارد ہیں، کیا تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کو وہ فضائل حاصل ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغ بھی ایک قسم کا جہاد ہے اور جہاد کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی شخص اس راہ میں نکل کر ایک روپیہ صرف کریگا تو اس کو سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا بلکہ ہر نیکی کا ثواب اسی طرح ہے اور خدا کی راہ میں جو جان دے گا اس کا ثواب الگ مستقل ہے۔ وَعَنْ عَلِيٍّ وَابِي الدَّرْدَاءِ وَابِي هُرَيْرَةَ وَابِي أُمَامَةَ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ أَرْسَلَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَقَامَ فِي بَيْتِهِ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْفَقَ فِي وَجْهِهِ ذَلِكَ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ. وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ. مشکوٰۃ شریف

ص ۳۳۵۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)

(ترجمہ از مرتب) جو شخص اللہ کی راہ میں (جانے کے لئے کسی کو) خرچہ دیدے اور خود وہ (کسی عذر کی بنا پر نہ جاسکا اور) گھر میں رک گیا (تب بھی اس کو ہر درہم پر سات سو درہم کا ثواب ملے گا۔ اور جس شخص نے خود اللہ کی راہ میں جہاد میں شرکت کی اور اسے اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا تو اس کو بھی ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ. (ترجمہ) اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے۔



## نبوت ختم کار نبوت باقی

سوال: یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی نبوت ختم ہو چکی لیکن کار نبوت باقی ہے اس کی تکمیل سارے مسلمانوں پر ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: اتنی بات تو صحیح ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب کسی نئے نبی کے آنے کی گنجائش نہیں۔ اور جس مقصد کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا گیا تھا وہ مقصد باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس کو پورا کرنا حسب استعداد و صلاحیت امت کے ذمہ لازم ہے جس کے لئے آیات و احادیث بکثرت شاہد ہیں۔

## کیا تبلیغی جماعت سے جڑنا ضروری ہے؟

سوال: جماعت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اس کام میں جڑنے کے علاوہ بھی اصلاح اور ایک مخصوص ذمہ داری بحیثیت حضور ﷺ کے ایک مسلمان امتی ہونے ادا ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے ذمہ کیا ہے؟ وہ کیسے اپنی زندگی کا رخ صحیح کرے اور سارے انسانیت کے لئے فکر مند کیونکر ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً: جماعت بہت مبارک کام کر رہی ہے اس میں جتنا بھی وقت لگایا جاسکے ضرور لگانا چاہئے۔ اس سے اپنی اور امت کی اصلاح کی فکر پیدا ہوتی ہے اور اپنے نفس کی اصلاح کے لئے کسی شیخ کامل محقق کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۷)

## قرض لیکر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا

سوال: ہمارا علاقہ پہاڑی ہے یہاں پر زیادہ تر جولائی کے مہینہ میں تبلیغی جماعتیں آتی



ہیں۔ کیا یہ طریق تبلیغ درست ہے جبکہ بہت سے تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ تم بچوں کے نفقہ کا فکر نہ کرو۔ اللہ مالک ہے۔ بس ہمارے ساتھ چلو اور بہت مجبور کرتے ہیں۔ حضرت والا اس سلسلہ میں وضاحت تحریر فرمادیں کہ قرضہ لے کر تبلیغ کریں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: دین سیکھنا فرض ہے خواہ مدرسہ میں رہ کر ہو، خواہ دینی کتابوں کا مطالعہ کر کے ہو، خواہ اہل دین کی صحبت میں رہ کر ہو۔ آج کل دین سے جس قدر غفلت و جہالت اور بے پرواہی ہے وہ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔ اگر علاقہ ایسا ہے کہ نہ وہاں مدارس ہیں، نہ وہاں اہل علم علماء ہیں، نہ دینی کتابوں کے دیکھنے کا شوق ہے، نہ قابلیت ہے۔ اس کے لئے تبلیغی کام کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کچھ وقت نکال کر ہر قسم کے فکر سے خالی ہو کر دین سیکھنے کے لئے نکل جائیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کتنے آدمی اس طرح نماز وغیرہ کے پابند ہو گئے۔ کتنوں نے بہت سے ضروری مسائل سیکھ لئے۔ ان جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے لیکن بعض آدمی جوش میں آ کر واقعہ حدود کی رعایت نہیں کرتے، اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ ان کو تبلیغی علماء کے ذریعہ سے تنبیہ کرائی جائے اور ان کے اصرار کی وجہ سے ہرگز حقوق واجبہ کو ضائع نہ کیا جائے۔ بیوی بچوں کے نفقہ کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بلا نفقہ کے ان کو بھوکا چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں۔ اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہو تو ان کے کہنے کی وجہ سے قرض نہ لیں۔ اگر جلدی ادا کرنے کی صورت ہو تو پھر حسب حیثیت قرض لینے کی بھی گنجائش ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے وقت باقاعدہ مدرسہ نہیں تھے۔ ایسے ہی لوگ دین سیکھا کرتے تھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)



## بچوں کے خرچ کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا

سوال: ایک شخص تبلیغ میں رہتا ہے۔ گھر پر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے کھانا وغیرہ سے پریشان رہتے ہیں، کیا اس کے لئے اس طریقہ کی تبلیغ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: بچوں کا خرچ نہ دینا جس سے وہ پریشان رہیں اور ان سے بے فکر ہو کر تبلیغ میں نکل جانا جائز نہیں۔ اس کو لازم ہے کہ بچوں کو خرچ کا انتظام پہلے کر لے۔ پھر اگر موقع ملے تب تبلیغ میں جائے۔ (فتاویٰ محمودہ ج ۱۳)

## گھر بتائے بغیر تبلیغ پر چلے جانا کیسا ہے؟

سوال: بعض لوگ اپنا شہر یا اپنا ملک چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کو یہ بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کتنے دن کے لئے جا رہے ہیں چپ چاپ نکل جاتے ہیں۔ اور کسی مقام پر پہنچ کر اپنے گھر والوں کو بذریعہ خط وغیرہ بھی کوئی اطلاع نہیں دیتے۔ بلکہ اس اجنبی شہر یا ملک کے مسلمانوں کا کلمہ درست کرانے اور نماز کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر ان کے اہل خانہ کو اس عمل سے پریشانی ہوتی ہے اور خرچ وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے شکایت بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ لوگ اس طرح ۵-۶ یا ۶-۷ ماہ بلکہ ایک-ایک سال باہر گزارتے ہیں۔ اس کو وہ ”چلہ“ دینا کہتے ہیں نیز وہ خود بھی سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ جو جتنا لمبا چلہ دیتا ہے وہ اتنا ہی کامل مسلمان بن جاتا ہے۔

یہ عمل کہاں تک درست ہے؟ اور کتاب و سنت کے مطابق ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے چلے دیئے ہیں عربی میں چلے کو کیا کہا جائے گا کیونکہ اردو میں چلہ صرف چالیس دن کا ہوتا ہے وہ بھی پیر، فقیر اور روحانی عامل کسی وظیفہ وغیرہ پڑھنے کی مدت



کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

الجواب: . ایسا بے وقوف تو شاید ہی دنیا میں کوئی ہو جو سال چھ مہینے کیلئے ملک سے باہر چلا جائے، نہ گھر والوں کو بتائے نہ وہاں جا کر اطلاع دے، نہ ان کے نان و نفقہ کا سوچے۔ ایسی فرضی صورتوں پر تو احکام جاری نہیں کئے جاتے۔ جہاں تک دین کے سیکھنے سکھانے کا عمل ہے یہ مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین بھی ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو شاید ہم بھی مسلمان نہ ہوتے، نہ آپ کو سوال کی ضرورت ہوتی نہ کسی کو جواب دینے کی۔ جوان بیبیوں کو چھوڑ کر جو لوگ چند ٹکے کمانے کیلئے سعودیہ، دبئی، امریکہ چلے جاتے ہیں اور کئی کئی سال تک نہیں لوٹتے ان کے بارے میں آپ نے کبھی مسئلہ نہیں پوچھا۔ جو لوگ دین سیکھنے کیلئے مہینے دو مہینے چار مہینے کیلئے جاتے ہیں ان کے بارے میں آپ کو مسئلہ پوچھنے کا خیال آیا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ گھر کے لوگوں کے نان و نفقہ کا انتظام کر کے آپ بھی چار مہینے کیلئے تو ضرور تشریف لے جائیں، اس کے بعد آپ مجھے لکھیں، کیونکہ اس وقت آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے، وہ علی وجہ البصیرت ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷)۔

## باپ کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا

سوال: کیا باپ کو ناراض کر کے جماعت میں جاسکتے ہیں۔ اور قرض لے کر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: حقوق واجبہ کو تلف کر کے تبلیغ میں جانے کی اجازت نہیں۔ بیوی بچوں اور ماں باپ کا نفقہ بھی اگر اس کے ذمہ لازم ہو تو اس کا انتظام کرنا واجب ہے۔ اس کو ترک کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا



جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی جسمانی خدمت بھی لازم ہے۔ اس کو ترک کر کے بھی تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں۔ اگر حقوق واجبہ کا بھی انتظام ہو اور جسمانی خدمت کی بھی ان کو حاجت نہ ہو تو پھر ان کو خود ہی منع کرنے کا حق نہیں۔ منع کرنے پر بھی اگر تبلیغ میں چلا گیا تو گنہگار نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)

## ماں کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا

سوال : میرے ناقص مشاہدہ میں یہ بیچارے تبلیغی جماعت والے صحیح ہیں اور میں ہر جمعرات کو جاتا ہوں مگر یہ میری ناقص فہم میں نہیں آتا کہ ماں باپ بوڑھوں کی بھی رضامندی اور ان کی بھی خدمت فرض ہے۔ میرا مطلب ہے جب وقت ہے جاؤ، بہت سے تو ماں اگر بیمار ہے تو بھی چلے جاتے ہیں میں نے دو مرتبہ تین تین دن لگائے ہیں۔ آپ برائے کرم بتلائے کہ ان کی اجازت کے بغیر ہم جماعت میں جاسکتے ہیں یا نہیں،

الجواب حامداً ومصلیاً : تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ نے صحیح لکھا ہے کہ

یہ اچھے لوگ ہیں، ان کی نقل و حرکت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہیں، اس لئے ان لوگوں کے ساتھ جتنا وقت گزرے سعادت ہے۔

رہا یہ کہ والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے،

اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت کرنے والا بھی نہ ہو تب تو ان کو چھوڑ کر ہرگز نہ جانا چاہئے، اور اگر ان کو خدمت کی ضرورت نہیں، محض اس وجہ سے روکتے ہیں کہ ان کے دل میں دین کی عظمت نہیں، ورنہ اگر یہی لڑکا دوسرے شہر بلکہ غیر ملک میں ملازمت کے لئے جانا چاہے تو والدین بڑی خوشی سے ان کو بھیج دیں گے، کیونکہ دنیا کی



قیمت انہیں معلوم ہے، دین کی معلوم نہیں، تو ایسی حالت میں تبلیغ میں جانے کیلئے والدین کی رضامندی کوئی شرط نہیں۔ کیونکہ تبلیغ میں نکلنا درحقیقت ایمان سیکھنے کیلئے ہے، اور ایمان کا سیکھنا اہم ترین فرض ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷)

## تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا

سوال: جیسا کہ آج کل تبلیغی جماعت اپنے کام تبلیغ دین میں گاؤں درگاؤں لگی ہوئی ہے۔ اور سنت رسول ﷺ کو زندہ کر رہی ہے۔ لیکن وہ حضرات اپنی تقریر کے بعد جماعت میں شامل ہونے کے لئے بہت ہی زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ اور چلہ میں جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اور مقامی جماعت گاؤں میں گشت کرتے وقت لوگوں کو اپنے پاس بلانے میں مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ عذر کرے کہ میں اس وقت کھانا کھا رہا ہوں، یا کوئی بیماری کی وجہ سے دوا لگا کر آرام کر رہا ہوں۔ اور اپنے یہ عذر بیان کرنے پر کیا وہ آدمی جو حقیقت میں ان کاموں میں مشغول ہے گنہگار ہوگا؟ خلاصہ یہ ہے کہ دینی کاموں میں مجبور کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:۔ جو شخص واقعی کسی قوی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے وہ اللہ کے نزدیک مجرم اور گنہگار نہیں۔ لیکن معمولی عذر کو بہانا نہیں بنانا چاہئے۔ چونکہ لوگوں کے ذہن میں آج کل دنیا کے کاموں کی عموماً جواہمیت ہے اس کے مقابلہ میں دین کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لئے تبلیغی کام کرنے والے زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور بعض ناواقف جو شیلے مبلغ حدود کو پہچانتے بھی نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)



## کیا تبلیغ کیلئے پہلے مدرسہ کی تعلیم ضروری ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں یہ تبلیغ عالموں کا کام ہے، اس میں جو لوگ جاتے ان کو چاہئے کہ وہ پہلے مدرسہ میں جا کر دین کا کام سیکھ لیں بعد میں یہ کام کریں ورنہ ان کی تبلیغ حرام ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: غلط ہے، جتنی بات مسلمان کو آتی ہو اسکی تبلیغ کر سکتا ہو اور تبلیغ میں نکلنے کا مقصد سب سے پہلے خود سیکھنا ہے اس لئے تبلیغ کے عمل کو بھی چلتا پھرتا مدرسہ سمجھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷)

## کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟

سوال: تبلیغ کے کیا معنی ہیں اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟ اگر کوئی شخص معاشرہ کو سنوارنے کیلئے جدوجہد کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ اقتدار کیلئے ایسا کرتا ہے اور کہتے ہیں سنت پر عمل کریں تو دنیا قدموں میں خود بخود آجائے گی حالانکہ مقصد اصلاح معاشرہ ہے اور معاشرے کو ان برائیوں سے بچانا مقصود ہے جو اسے دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ پوچھنا یہ ہے اس شخص یا جماعت کا یہ فعل کس حد تک اسلام کے مطابق ہے کیا یہ تبلیغ کی مد میں شامل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے افراد کی اصلاح ہوگی تو معاشرے کی اصلاح ہوگی، اور جب تک افراد کی اصلاح نہیں ہوتی اصلاح معاشرہ کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ پس جو حضرات بھی افراد سازی کا کام کر رہے ہیں وہ دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔



تبلیغ کا دائرہ کار تو پورے دین پر حاوی ہے مگر نماز دین کا اولین ستون ہے۔ جب تک نماز کی دعوت نہیں چلے گی اور لوگ نماز پر نہیں آئیں گے نہ ان میں دین آئیگا اور نہ ان کی اصلاح ہوگی اور ہر کام میں سنت نبوی کو اپنانے کی دعوت، درحقیقت پورے دین کی دعوت ہے کیونکہ سنت ہی دین کی شاہراہ ہے اس لئے بلاشبہ نماز اور سنت کی دعوت ہی دین کی تبلیغ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷)

### تبلیغی جماعت میں تقریر کی حیثیت

سوال:۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بات کرنے کے لئے صرف تبلیغی جماعت والوں ہی کو حق ہے یا اور کسی کو بھی؟ مثلاً کوئی عالم حافظ یا اور کسی بھی مسلک کا جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ان لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تبلیغی مرکز کے اندر وقتاً فوقتاً بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض تبلیغی جماعت والے یہ کہتے ہیں کہ یہاں مرکز میں اور کوئی بیان نہیں کر سکتا تبلیغی جماعت کے علاوہ۔ اگر کوئی قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہتا ہے تو اسے روکنا کیسا ہے؟ روکنے والے کو گناہ ہوگا یا ثواب؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغی جماعت میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہر مسلک کے آدمی کام کرتے ہیں، کتاب بھی سناتے ہیں، گشت بھی کرتے ہیں۔ یہ تبلیغ کسی ایک مسلک کے لئے مخصوص نہیں، جس کو بھی دین سیکھنا اور دین پھیلانا مقصود ہو وہ اس جماعت میں کام کرتا ہے۔ جس مقصد کے لئے کوئی اجتماع کیا جائے اس میں اس مقصد کی بات کی جاتی ہے۔ دوسرا مقصد اگرچہ وہ درست اور شرعی مقصد ہو اس کو وہاں بیان کرنا مناسب نہیں۔ مثلاً ایک جگہ بخاری شریف کا درس ہو اور اس کے لئے طلباء اور اساتذہ جمع ہوئے ہوں اور احادیث کا بیان ہو رہا ہو تو کوئی شخص وہاں آ کر قرآن شریف کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دے یا تبلیغی



تقریر کرنے لگے تو اس کو روکا جائے گا کہ یہاں اس وقت یہ مجمع بخاری شریف کے درس کے لئے جمع ہوا ہے آپ تفسیر یا تبلیغ دوسرے وقت کریں اسی طرح اگر تبلیغ کیلئے مجمع ہے تو وہاں تبلیغ ہی کی بات کی جائے کوئی اگر تفسیر یا بخاری شریف کا درس دینے لگے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس وقت یہ مجمع تبلیغ کی بات کیلئے جمع ہوا ہے آپ اپنا کام دوسرے وقت کریں اور یہ بات نہایت نرمی اور شفقت سے کی جائے جس سے کہ سمجھ میں آ جائے اور کوئی فتنہ بھی نہ ہو۔ اور یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں عام تقریر تجربہ کار علماء ہی کو کرنی چاہئے۔ جو ایسے نہ ہوں ان کو چھ نمبر یا کوئی اور تبلیغی نصاب کی کتاب پڑھ کر سنانی چاہئے۔ وہ عام تقریر نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۳)

## نماز کے فوراً بعد تبلیغ

سوال:۔ ہماری مسجد میں بعد نماز فجر تبلیغی نصاب کی تعلیم ہوتی ہے، کیسا ہے؟ علیحدہ گوشہ میں بیٹھ کر تلاوت کلام پاک، درود شریف، کلمہ طیبہ پڑھنا بہتر ہے یا کتاب سننا؟

الجواب حامداً ومصلیاً: قرآن پاک کی تلاوت، درود شریف، کلمہ طیبہ کی فضیلت تو اس قدر عام ہے کہ اس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں، لیکن ان چیزوں کے لئے دوسرا وقت نکالا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی حافظ ہے تو وہ ایک گوشہ میں بیٹھنے کا محتاج ہی نہیں۔ درود شریف کلمہ طیبہ بہر حال ہر شخص چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے اگر اس معین وقت میں کتاب سُننے جس سے دینی معلومات میں اضافہ ہو اور نام مبارک سُننے وقت درود شریف بھی پڑھتا رہے اور دوسرے وقت میں یا مکان میں دوسری چیز بھی پڑھتا رہے تو دونوں کا فائدہ مستقل ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ)



سوال: تبلیغی جماعت نے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ عشاء کی نماز کے فوراً بعد اعلان کرتے ہیں جس کو سنن و نوافل پڑھنے ہیں وہ علیحدہ گوشہ میں پڑھ لیں اور فوراً اپنی تقریر شروع کر دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً: جماعت کو چاہئے کہ لوگوں کو سنن پڑھنے کا موقع دے، سنن پڑھنے سے ہرگز نہ روکے، ہاں نوافل میں توسع ہے، تاہم تبلیغی جماعت کو حاکمانہ لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے دوسروں کے اعمال صالحہ کی تحقیر ہو اور بددلی پیدا ہو کہ سخت مذموم ہے اور طریقہ تبلیغ کے بھی خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ)

## تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں رات گزارنا

سوال: ان مبلغین کی عادت نقلی اعتکاف کر کے مساجد میں رات گزارنے، کھانے پینے کی ہے کیا اسکی گنجائش ہے یا یہ حرام ہے۔ (ب) جو جماعت مذکورہ کی بلکلے تکفیر کرے حتیٰ کہ اسکے معاونین اور بانیین کی بھی۔ اسکا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: حضرت ابو قلابہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ عطل کے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور عبدالرحمن ابن ابی بکر نے فرمایا کہ اصحاب صفہ فقرا میں سے تھے۔ خبر دی مجھ کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں سویا کرتے تھے اور وہ بے شادی شدہ جوان تھے ان کے اہل و عیال نہ تھے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہیں پایا آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ابن عم کہاں ہیں حضرت



فاطمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری انکی کچھ بات ہوگئی وہ مجھ پر غصہ ہوئے۔ اور یہاں سے چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے فرمایا کہ دیکھنا وہ کہاں ہیں۔ وہ صاحب آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ تو مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وہ لیٹے ہوئے تھے ان کی ایک طرف سے چادر ہٹی ہوئی تھی اور اس حصہ کو مٹی لگ گئی تھی رسول اللہ ﷺ انکے اوپر سے مٹی صاف کرنے لگے اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ اے ابو تراب اٹھ اے ابو تراب اٹھ۔

معتکف کیلئے کھانا پینا سونا خاص ہے یعنی مسجد میں۔ غیر معتکف کیلئے مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے اور کوئی ایسا کرنا چاہے تو اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اعتکاف کی نیت کر لے پھر مسجد میں داخل ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا نماز پڑھے پھر جو چاہے کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱)

## تبلیغ کرنا اور مسجدوں میں پڑاؤ ڈالنا کیسا ہے؟

سوال : تبلیغ کا کرنا کیسا ہے اور تبلیغی جماعت کا بستروں سمیت مسجد میں پڑاؤ ڈالنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغ کے نام سے جو کام ہو رہا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ خود اپنے اندر دین میں پختگی پیدا کرنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو رسول اللہ ﷺ والے طریقوں کی دعوت دینا ہے؟ تجربہ یہ ہے کہ اپنے ماحول میں رہتے ہوئے آدمی میں دین کی فکر پیدا نہیں ہوتی۔ بیسیوں فرائض کا تارک رہتا ہے اور بیسیوں گناہوں میں مبتلا رہتا ہے۔ عمریں گزر جاتی ہیں مگر کلمہ نماز بھی صحیح کرنے کی فکر نہیں ہوتی۔ تبلیغ میں نکل کر احساس ہوتا ہے کہ میں نے



کتنی عمر غفلت اور بیقدری کی نظر کردی اور اپنی کتنی قیمتی عمر ضائع کردی اس لئے تبلیغ میں نکلنا بہت ضروری ہے۔ اور جب تک آدمی اس راستے میں نکل نہ جائے اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی، چونکہ تبلیغ میں نکلنے سے مقصد دین کا سیکھنا اور سکھانا ہے اور دین کا مرکز مساجد ہیں۔ اس لئے تبلیغی جماعتوں کا خدا کے گھروں میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہر کر دین کی محنت کرنا بالکل بجا اور درست ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷)

## تبلیغ میں چھ باتوں کا بیان

سوال: تبلیغ والے چھ ہی باتیں کیوں بیان کرتے ہیں ساڑھے چھ یا سات کیوں نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغ والوں نے چھ ہی باتوں کو لیا ہے۔ اس پر پوری محنت بھی کی ہے اور کر رہے ہیں اور کروا رہے ہیں اب اگر اس میں کمی محسوس کریں تو آپ بڑھائے اور محنت کیجئے ورنہ یہ سوال کا سلسلہ تو لامتناہی (ختم نہ ہونے والا) ہے اور وجہ یہ ہے کہ اگر سات رکھے گئے تو آپ اس پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ سات ہی کیوں رکھے گئے ساڑھے سات یا آٹھ کیوں نہیں رکھے گئے، اور جب ساڑھے سات یا آٹھ رکھے جاتے تو اس پر سوال ہوتا کہ ساڑھے آٹھ یا نو کیوں نہیں رکھے گئے؟ بہر حال ایسا سوال جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو باطل ہے۔

ایک وجہ ان چھ باتوں کے منتخب کرنے کی یہ ہے کہ چھ باتیں اصلاح حال کیلئے اصل الاصول ہیں ان پر عمل کرنے سے بقیہ دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے جس کا تجربہ شاہد ہے کہ جس شخص نے بھی ان چھ باتوں کے حصول کی کوشش کی اسکی دینی حالت حسب محنت ترقی کرتی چلی گئی، آپ کو معلوم ہے کہ کافر کو سب سے پہلے اسلام لانے کیلئے نماز



روزہ کی تلقین نہیں کی جائے گی بلکہ کلمہ کی دعوت دی جائے گی اسکے بعد اسے نماز روزہ کی تلقین کی جائے گی بس اسی طرح وہ مسلمان جن میں اسلام سے دوری کی بنا پر اعتقادات و معاملات میں خرابی آگئی ہے، ان کو سب سے پہلے انہی بنیادی چھ باتوں کی دعوت دی جائے گی تاکہ ان امور کے راسخ ہونے کے بعد وہ دین کے اہم امور کی طرف رجوع کر سکے۔ چنانچہ مثال شاہد ہے کہ بہت سوں نے اس محنت کے بعد شراب چھوڑ دی نماز اور عبادت کے پابند ہو گئے اور ان کے دلوں میں علماء کا احترام اور بزرگوں کی محبت پیدا ہو گئی، لیکن یہ کب؟ جب کہ انہوں نے ان چھ باتوں پر صحیح محنت کر لی۔

چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان چھ باتوں پر اصولوں سے صحیح محنت کرنے کا یہ اثر ہے کہ اس سے دین کی عظمت و محبت اور دین پر قربانی اور ایمان و یقین کے داخل ہونے کا بیج دل میں پڑتا ہے۔ اور پھر اس بیج کی صحیح تربیت پر اسلام کے درخت کے لہلہانے کی امید ہے۔

پھر ان چھ باتوں پر کسی بھی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔ پہلا نمبر کلمہ طیبہ، دوسرا نمبر نماز، تیسرا نمبر علم و ذکر، چوتھا نمبر اکرام مسلم، پانچواں نمبر اخلاص نیت، چھٹا نمبر تبلیغ (دین کی محنت کیلئے وقت نکالنا) گویا یہ تمام نمبر ایسے ہیں جن میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور جب ان پر محنت کرنے کے لئے سب کو جمع کیا جاتا ہے تو بغیر کسی اختلاف کے شرکت کرتے ہیں اور اس پر محنت کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں گویا یہی ایک پلیٹ فارم ایسا ہے جس پر ہر دینی جماعت کے افراد نظر آتے ہیں اور اس سے اختلاف نہیں کرتے ہیں پھر آپ نے دیکھا ہوگا کہ دنیا میں جتنی تحریکیں ہیں وہ سب اپنے لئے کچھ نہ کچھ کام تجویز کر لیتے ہیں اور اس سے وہ منشور اور نکات سے تعبیر کرتے ہیں اور اسمیں شامل ہونے والا کوئی اس بات پر اعتراض نہیں کرتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا ہے کہ آپ نے یہ ۹ رہی کیوں



رکھے ۱۰ کیوں نہ رکھے؟ یا اسمیں یہ بات داخل نہیں کی گئی؟ لیکن ایسا نہیں ہے اسے معلوم ہوا کہ سب چیز کا داخل ہونا ضروری نہیں ہے، ہاں صرف سوال اس بات کا ہو سکتا ہے کہ جن باتوں کو اپنا مقصد قرار دے رہے ہیں وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ چنانچہ الحمد للہ پوری شدت سے اس پر محنت کرائی جاتی ہے اور پھر بتدریج اس کے استعداد کے اعتبار سے دین میں آگے بڑھایا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان چھ باتوں کو خاص دخل ہے تمام مسلمانوں کو جوڑنے کے لئے۔ اور دین پر چلنے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے۔ ﴿ارشاد فرمودہ حضرت مولانا یوسف صاحب﴾

## نماز فجر کے بعد روزانہ کتاب سنانا

سوال : بعد نماز صبح دعا سے قبل یا بعد مصلیٰ پر بیٹھ کر روزانہ کوئی دینی کتاب نمازیوں کو سنانا یا جبکہ تلاوت کرنے والوں اور وظیفہ والوں اور مسبوق ولاحق کو پریشانی ہو شرعاً کیسا ہے؟ یہاں دونوں خیال کے آدمی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً: مسلمانوں میں عامۃً دین سے بے رغبتی اور بے عملی ہے اس کے دور کرنے کے لئے دینی معتبر کتاب کا سنانا بہت مفید ہے، اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ سب لوگ جماعت سے نماز پڑھیں۔ اگر کوئی شخص مسبوق یا لاحق ہو جاوے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اس کے بعد کتاب سنائی جائے۔ جن کو قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہو وہ دوسرے وقت بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن نمازیوں کا مجمع پھر بغیر نماز کے جمع نہیں ہوگا۔ اگر دوسرے وقت تلاوت نہ کر سکتا ہو تو دوسری جگہ یا ایک طرف کو آہستہ بھی تلاوت کر سکتے ہیں۔ اس طرح سب کے اتفاق کے ساتھ مشورہ سے کام ہو جائے گا۔ اور انشاء اللہ خیر و برکت بھی ہوگی



۔ اتنی بات صحیح ہے کہ پابندی کے ساتھ کتاب سنانا یا روزانہ وعظ فرمانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے اس کو سنت مستمرہ تصور نہ کیا جائے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے مدارس میں تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے کہ وہاں روزانہ تعلیم کی جاتی ہے۔ یا اسپتال میں داخل شدہ آدمی کو روزانہ دوا دی جاتی ہے کہ یہ ضرورت کی بنا پر ہے، محض امر تعبدی نفل روزہ کی طرح نہیں، جس قدر ضرورت ہو اس قدر کو اختیار کیا جائے، اگر اس طرح نمازی متفق نہ ہوں اور وہ ضد میں آ کر کتاب سنانے کے وقت زور سے تلاوت شروع کر دیں (گو مخلصین سے اس کی توقع نہیں) تو پھر مجبوراً مسجد کے کسی الگ کونے میں ہلکی آواز سے کتاب سنائی جائے تاکہ دونوں آوازوں میں تصادم پیدا نہ ہو یا اگر اس پر متفق ہو جائیں کہ ہفتہ میں ایک دن یا دو دن کتاب سنائی جایا کرے تو اسی کو اختیار کر لیں۔ غرض نزاع نہ کریں۔ قرآن پاک میں ہے ولا تنازعوا الایۃ۔ حضرت نبی اکرم ﷺ بعد الفجر مصلیٰ پر تشریف فرما رہتے، کبھی لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے کبھی اپنا خواب بیان فرماتے، کبھی مختلف قسم کی گفتگو فرماتے رہتے یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کا ذکر شروع ہو گیا۔ اور کسی نے اس دور سے اشعار سنائے تو ایک مجلس میں سوسو اشعار کی نوبت آئی۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۰)

## کیا نماز کے بعد اعلان کرنا بدعت ہے

سوال :۔ ہماری بستی میں تبلیغی جماعت آتی ہے اور اپنے اصول کے مطابق اعلان کرتی ہے کہ ”دوستو سنت و نوافل کے بعد کتابی تعلیم یا بیان ہوگا“ تمام حضرات تشریف رکھیں۔ کیا اس طرح اعلان کرنا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: نماز کے بعد اس طرح ان الفاظ میں اعلان کرنا تعلیم کے لئے



کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ حدیث شریف کا سیکھنا اور سکھانا پڑھنا پڑھانا ثواب اور دین ہی کا ایک کام ہے۔ اسی طرح فقہاء نے جو بدعت کی تعریف بیان کی ہے اس میں یہ چیز داخل نہیں ہے اسلئے بدعت کہنا صحیح نہیں ہے۔

## کیا تبلیغ کرنا صرف عالموں کا کام ہے

سوال: ہماری بستی کے امام صاحب کا کہنا ہے کہ تبلیغ کا کام صرف عالموں کا ہے تو مجھ جیسے ایرے غیرے کا یہ کام نہیں ہے اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: عالم جاننے والے کو کہتے ہیں اسلئے جو بات دین کی کوئی شخص جانتا ہو وہ اس بات کا جاننے والا شمار کیا جائے گا اب اس شخص پر ضروری ہے کہ جتنی باتوں کو وہ جانتا ہے دوسروں کو سکھائے یا عمل کرائے۔ اس میں شریعت کے خلاف کیا بات ہے۔ باقی رہے دلائل فرعیہ اور دوسری باتیں جنکے بارے میں پوری تحقیق و تفصیل معلوم نہ ہوں اس سے کسی ماہر عالم سے دریافت کر کے اس پر عمل کرے۔

## کیا تبلیغی جماعت میں رقم خرچ کرنا رقم برباد کرنا ہے

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں تین دن، دس دن، ایک چلہ اور تین چلے کے لئے نکلنا رقم کا برباد کرنا ہے۔ اسکے بجائے کسی یتیم، بیوہ یا کسی حاجت مند کی اعانت و امداد بہتر اور اچھا ہے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ جماعت میں نکلنے سے خود کی اصلاح ہوتی ہے دین کی فکر پیدا ہوتی ہے ان دونوں میں سے صحیح کون ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: تبلیغی جماعت میں جانے سے رقم خرچ ہوتی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے اس شخص میں ایمان، نماز کی حلاوت، خدا کا خوف،



حضور ﷺ کی ذات سے محبت (اور) قیمتی باتیں بھی تو حاصل ہوتی ہیں اسلئے اس میں اپنی رقم کا خرچ کرنا خدا تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے خرچ کیا ہوا شمار کیا جائے گا۔ ایسوں کی امداد بھی ثواب ہے اسلئے ”اس کام میں پیسوں کا برباد کرنا ہے“ یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

کیا تبلیغی جماعت والوں کو فضائل کے بجائے مسائل بتلا کر

کام کرنا چاہئے

سوال :۔ ہماری بستی کے امام صاحب کا کہنا ہے کہ تبلیغ جماعت والوں کو فضائل کے بجائے مسائل بتلا کر کام کرنا چاہئے یہ بات قرآن حدیث کی روشنی میں صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً: فضائل سننے سے عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور کام کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اسلئے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”بشروا ولا تنفروا“ یعنی فضائل کی بشارت سناؤ اور نفرت نہ پھیلاؤ اس وجہ سے وہ فضائل جو معتبر احادیث سے ثابت ہیں انہیں سنا کر عمل کرنے کے لئے ترغیب دینی چاہئے۔ اور ضرورت کے اوقات میں مسائل کو معتبر عالموں سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے۔ (از: مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب مدرسہ جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل گجرات)

تبلیغی جماعت سے والدین کا اپنی اولاد کو منع کرنا

سوال :۔ تبلیغ دین کا سلسلہ جیسا کہ آپ کو مجھ سے بہتر علم ہوگا اگر ہم تبلیغی کاموں میں حصہ لیں لیکن گھر والے اس کام سے اسلئے منع کریں کہ رشتہ داروں میں ان کی ناک کٹ جائے گی وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے کہ ان کا لڑکا تبلیغی ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ کیا اس مبارک کام کو چھوڑ دینا چاہیے؟



الجوب حامداً ومصلیاً: تبلیغ کا کام ہرگز نہ چھوڑیے، لیکن والدین کی بے ادبی بھی نہ کی جائے بلکہ نہایت صبر و تحمل سے ان کی کڑوی باتوں کو برداشت کیا جائے۔ یہ لوگ بیچارے دنیا کی عزت و منصب کی قدر جانتے ہیں، دین کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ ضرورت ہے کہ ان کو کسی تدبیر سے یہ سمجھایا جائے کہ دین کی پابندی عزت کی چیز ہے اور بے دینی ذلت کی چیز ہے۔ (آپ کے مسائل اور انکاح لے)

### تبلیغ پہلے گھر پھر باہر

سوال: زید فقط پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے گاہ بگاہ تبلیغی جماعت میں چلہ لگاتا ہے مسجد کے امام جو مستند عالم ہیں اس سے کہتے ہیں تمہارے لئے ضروری ہے کہ پہلے تبلیغ اپنی بستی و گھر انہ کی کرو جبکہ گھر انہ میں بے نمازی ہوں اور بستی میں کس قدر بے نمازی ہیں گھر گھر تبلیغ کرو اس کے بعد باہر دوسری جگہ تبلیغ کے لئے جاؤ اور استدلال میں وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا الْآيَةَ بیان کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اور کس کا قول انسب ہے؟

الجوب حامداً ومصلیاً: اپنے گھر اور بستی کا حق دوسروں پر مقدم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر یا بستی والے جب تک پورے پابند نہ ہو جائیں دوسروں تک پیغام نہ پہنچانا چاہئے۔ مثلاً کسی جگہ دینی مدرسہ جیسے دارالعلوم دیوبند ہی ہے یہاں اس کی پابندی نہیں کی گئی کہ دیوبند کے ایک ایک آدمی کو پورا عالم دین بنایا جائے تب دوسری جگہ کے طالب علم کو داخلہ کی ترغیب دی جائے نہ کسی بزرگ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ اپنے گھر اور بستی والوں کی اصلاح تام کئے بغیر باہر کے آدمیوں کی بیعت نہ کی ہو، نہ کسی حافظ عالم نے باہر کے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے اس کا اہتمام کیا بلکہ بکثرت یہی دیکھا جاتا ہے کہ گھر اور بستی والے فیض حاصل نہیں کرتے باہر والے کر لیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے طائف



وغیرہ تشریف لے جانے سے پہلے کیا مکہ کے سب لوگوں کو مسلمان کر لیا تھا یہ جواب اس وقت ہے جبکہ تبلیغ کا مقصد بھی یہی ہو۔ لیکن اگر تبلیغ کا مقصد محنت اور مجاہدہ کر کے اپنے دین کو پختہ کرنا ہو تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۱)

## تبلیغی جماعت پر اعتراض

سوال:۔ تبلیغی جماعت کیسی ہے؟ کیا مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس کی ہر بات کو مان کر عمل کریں، حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو دینی تعلیم سے بہت ہی کم واقف ہوتے ہیں اور ممبر پر کھڑے ہو کر وعظ و دیگر ضروری امور کلیہ وغیرہ پر زور دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ جبکہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک صاحب تقریر کر رہے تھے، ان سے جب دریافت کیا گیا کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا علم ہے تو انہوں نے انکار کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو مسجد سے باہر کر دیا۔ تو تبلیغی جماعت والے کس طرح وعظ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سے جب کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خود سیکھنے کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا سیکھنے کے لئے دارالعلوم ناکافی ہے؟ بہر صورت اس بارے میں تشفی بخش جواب مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:۔ تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے اچھی اور صحیح العقیدہ جماعت ہے۔ اس جماعت میں جو معتمد اہل علم ہیں ان کی تقریروں میں تو کوئی اشکال نہیں۔ جو غیر عالم ہیں ان کو ہدایت ہے کہ چھ نمبر سے زائد کوئی بات بیان نہ کریں، یا تو چھ نمبروں کو بیان کریں تا کہ وہ پختہ ہو جائیں یا کتاب پڑھ کر سنائیں اور کتابیں بھی قابل اعتماد تجویز ہیں۔ اس کے علاوہ غیر اہل علم کو اجازت نہیں۔ چھ نمبروں میں کوئی بات قرآن کریم اور حدیث شریف اور فقہ کے خلاف نہیں ہے، ان کو بیان کرنے اور سننے میں کوئی



مضانقہ نہیں ہے بلکہ نفع ہی نفع ہے۔ علم دین سیکھنے کا یہ طریقہ بھی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر سیکھا جائے مگر یہ ظاہر ہے کہ کروڑوں مسلمان سب کے سب دارالعلوم دیوبند میں نہ سیکھنے کے لئے آ سکتے ہیں نہ سما سکتے ہیں، نہ سب کے پاس اتنا وقت ہے، نہ سب کو شرعاً اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ سب میں اس کی صلاحیت ہے، نہ مدرسہ ان سب کا صرفہ برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم کئے جاتے ہیں اور کتابیں بھی تصنیف کی جاتی ہیں، رسالے اور اخبار شائع کئے جاتے ہیں، فتاویٰ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے انجمن بھی بنائی جاتی ہے وعظ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہی طریقے دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے ہیں۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کا جو طریقہ ہے وہ بھی دین سیکھنے کا بہت مفید طریقہ ہے۔ جس شخص کو نماز، کلمہ، وضو کچھ نہیں آتا وہ چالیس روز کے لئے جماعت کے ساتھ نکل جاتا ہے تو اسی مدت میں اچھا خاصا وہ سیکھ لیتا اور پابند ہو جاتا ہے اور پھر آگے ترقی کرتا جاتا ہے۔ تجربہ اس کا شاہد ہے۔ جو شخص براہ راست قرآن پاک سے مسائل استنباط کر کے بیان کرے اس کے لئے ناخ منسوخ کا علم ہونا ضروری ہے اور بھی بہت سی چیزوں کا علم ہونا ضروری ہے اور جو شخص ائمہ دین کے بیان فرمودہ منقح مسائل کو نقل کرے اس کے لئے علم ناخ منسوخ کا ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد کی بناء پر تبلیغی جماعت کو یا کسی اور کو وعظ و تقریر سے روکنا غلط اور بے محل ہے۔ البتہ جو بات خواہ روایت ہو یا مسئلہ غلط بیان کریں اس پر ضرورتاً تنبیہ کی جائے اور غلطی کو واضح کر دیا جائے۔ اس میں بھی شفقت اور اصلاح کا جذبہ ہونا چاہیے، تحقیر اور تذلیل کا جذبہ ہرگز نہ ہو۔ یہی معاملہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کیا جائے۔ یہی دوسرے دینی خدمت کرنے والوں کے ساتھ کیا جائے، خواہ تقریر و عمل سے خدمت کی جائے، یا تحریر و تصنیف سے یا افتاء و تدریس سے یا گشت و اجتماع وغیرہ سے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)



## عورتوں کیلئے تبلیغی سفر

سوال : زید کی والدہ تبلیغی جماعت میں بمبئی میں کام کرتی ہیں۔ اب تبلیغی جماعت کے اکابرین نے چند مستورات کی جماعت محرموں کے ساتھ لندن بھیجنے کا ارادہ کیا ہے اس مذکورہ جماعت میں زید کی والدہ کا نام بھی ہے۔ زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائے گی۔ مگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ ایک پندرہ سالہ لڑکی بھی ہے۔ والدین کی عدم موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو ان حالات میں یہ سفر جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز کا سفر بغرض تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :- تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اسکو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں۔ جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے۔ اس لئے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود و شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہو تو شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہو سکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کر لیں گی تو پھر اجازت ہے۔ خدائے پاک اس سفر میں برکت دے، نصرت فرمائے اور کامیاب واپس لائے۔ بچوں کو عافیت سے رکھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴)



## عورتوں کیلئے تبلیغی اجتماع

سوال :- تبلیغی اجتماع جو عورتوں کا ہوتا ہے اسمیں عورت کا اپنے شوہر کی اجازت سے شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :- دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے۔ عورت کے لئے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر باپ بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کر دیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے۔ البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو۔ بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں۔ تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہونچے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جا کر دین سکھایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)

## کیا وقت لگائے بغیر تبلیغ سمجھ میں نہیں آ سکتی؟

سوال :- تبلیغ والے عموماً کہتے ہیں کہ تبلیغ میں وقت لگائے بغیر تبلیغ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ کبھی کہتے ہیں کہ ایک سال لگاؤ تب سمجھ میں آئے گا۔ آخر دنیا میں کونسا کام ایسا ہے جو سمجھانے سے سمجھ میں نہ آئے۔ پھر یہ تبلیغ کونسا معمرہ ہے جو وقت لگائے بغیر سمجھ میں نہ آ سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :- تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ جب تک آدمی اس کام میں خود چل کر وقت نہ لگائے اسکی حقیقت اور افادیت پوری طور سمجھ میں نہیں آتی ہے یہی وجہ ہے جو حضرات پہلے تبلیغی کام کو دور دور سے ہی دیکھتے تھے کچھ تو اس سے بدظن تھے اور اس میں شرکت کو تضييع اوقات (وقت ضائع کرنا) سمجھتے تھے۔ اور کچھ حضرات اگرچہ اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن نہ تو خود اس میں وقت لگانے کے لئے تیار تھے اور نہ ہی دوسروں کو اس میں



شرکت کے لئے ترغیب دیتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور ان حضرات کو اس میں وقت لگانے کا اتفاق ہوا تو اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا اور اس کام کی افادیت اور اہمیت ان کے سامنے آئی تو خود بھی اپنی زندگی کو اس کام کے لئے گویا وقف کر دیا اور دوسروں پر بھی خوب محنت کرنی شروع کر دی کہ وہ بھی دعوت و تبلیغ کے کام کو اپنا کام بنالیں اس سلسلہ میں مناسب ہے کہ میں (احقر مرتب) حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ کا خودنوشتہ مضمون بعینہ اس جگہ پر نقل کروں جو گویا کہ اس اعتراض کا تسلی بخش جواب ہے جو سوال میں کیا گیا ہے چنانچہ مولانا موصوف رقم طراز ہیں۔

”میں اس وقت تک حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بارہ میں کوئی خاص واقفیت نہیں رکھتا تھا اگرچہ ایک دو دفعہ دیکھا تھا اور ملا تھا لیکن میرے دل نے اس سے کوئی خاص تاثر قبول نہیں کیا۔ اور ان کے تبلیغی کام اور اس کے طریق کار سے بالکل ہی ناواقف تھا۔ مجھے آج بھی یقین ہے کہ اگر اس وقت کوئی صاحب مجھے اس تبلیغی کام میں شرکت کی دعوت دیتے اور تقریر یا تحریر سے سمجھانے کی کوشش فرماتے تو غالباً میں بالکل متاثر نہ ہوتا۔ اس وقت میرے سوچنے کا خاص ڈھنگ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا عجیب اتفاق سے ﴿جس کو لطیفۂ غیبی ہی کہا جاسکتا ہے﴾ چند روز میرا قیام رائے پور ضلع سہارنپور کی خانقاہ میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔ میں اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت نہیں تھا بلکہ اس زمانہ میں مجھے خانقاہی اذکار و اشغال سے کوئی مناسبت نہیں تھی..... لیکن حضرت کی شخصیت سے میں بہت متاثر اور بہت معتقد تھا..... ایک دن حضرت نے ایک سلسلہ کلام میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بہت بلند کلمات میں فرمایا جو حضرت کی عام عادت نہیں تھی، اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ آپ کا جب دہلی جانا ہوا کرے تو حضرت کی خدمت میں ضرور حاضر ہوا کریں!..... اسکے دو چار دن بعد



میں اپنے اس وقت کے مستقر بریلی واپس ہونے کے لئے رائے پور سے سہارنپور آیا تو یہاں میں نے سنا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بہت سخت بیمار ہیں میں نے سوچا کہ مجھے ابھی دہلی جا کر ان کی عیادت و زیارت کرنی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسی بیماری میں رخصت ہو جائیں اور مجھے محرومی کا ہمیشہ افسوس رہے..... میں سہارنپور سے سیدھا دہلی پہنچا۔ دیکھا کہ حضرت مولانا سخت مریض ہیں اور انتہائی درجہ میں کمزور ہیں، جسم میں ہڈی چمڑے کے سواء کچھ نہیں ہے، میں نے مصافحہ کرنا چاہا تو بجائے مصافحہ کے حضرت مولانا نے میرے دونوں ہاتھ زور سے پکڑ لئے اور بغیر کسی گفتگو اور تمہید کے فرمایا..... مجھے دیکھنے کیوں آئے ہو، دین کی فکر کرو! میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، فرمایا کہ وعدہ کرو کم سے کم ایک ہفتہ ضرور دو گے۔ میں نے ان کی بیماری اور کمزوری کی حالت دیکھتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے وعدہ کر لیا۔

یہ گفتگورات میں عشاء کے دیر بعد ہوئی، میں اسی وقت نظام الدین پہنچا تھا۔ پھر فجر کی نماز کے بعد حاضر ہوا تو فرمایا کہ اب آپ چلے جائیے، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ اس بیماری سے میں اچھا ہو جاؤں گا، پھر جب کام کے سلسلہ میں میرا سفر ہوگا تو اطلاع دوں گا، اس وقت آپ ایک ہفتہ کے لئے آجائیں میں بریلی چلا آیا واقعہ یہ ہے کہ یہ بات اس وقت کے میرے مزاج کے خلاف تھی کہ یہ جانے بغیر کہ ایک ہفتہ کس کام کے لئے دینا ہوگا، میں نے وعدہ کر لیا، (یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کا کرشمہ تھا) اب یاد نہیں کہ کتنی مدت کے بعد مولانا کی طرف سے اطلاع آئی کہ فلاں تاریخ کو میں جماعت کے ساتھ لکھنؤ جانے والا ہوں، آپ بریلی سے لکھنؤ پہنچ جائیں، میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔ حضرت مولانا بریلی سے دہلی تشریف لے آئے پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ آپ بس میرے ساتھ رہیں اور جب تک ایک ہفتہ پورا نہ ہو جائے کام کے بارے میں آپ مجھ



سے کوئی سوال اور کوئی بات نہ کریں، جو کچھ بات کرنی ہو ہفتہ پورا ہونے کے بعد کریں میں نے اپنے کو اسکا پابند کر لیا ۴-۵ دن گزرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ امت میں ایمان اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے اور عام کرنے کا یہ نہایت صحیح طریقہ ہے، یہ یقین دن رات کی رفاقت اور مشاہدہ سے ہوا، اور ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اگر حضرت مولانا مجھے گفتگو فرما کر مطمئن کرنا چاہتے تو غالباً میں مطمئن نہ ہوتا۔

قرآن مجید سے بھی اس حکمت عملی کا اشارہ ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سلسلہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی (جس کا نام زلیخا مشہور ہے اور جس کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام ایک زر خرید غلام کی حیثیت سے رہتے تھے) ان پر فریفتہ ہو گئی تو مصر کی عورتوں میں اس کا چرچا پھیل گیا اور اس کی سہیلیوں نے اس کی اس حرکت کو بہت ذلیل حرکت سمجھا تو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب زلیخا کو ان سہیلیوں کی لعنت ملامت کی باتیں پہنچیں تو اس نے تدبیر کی کہ ان سب عورتوں کی دعوت کی اور ان کے سامنے کھانے کی ایسی چیزیں رکھی گئیں جن کو چھری سے کاٹ کے کھانا تھا، اس لئے ہر ایک کو چھری بھی دیدی گئی، اور ٹھیک اس وقت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا۔ وہ بے چارے غلام کی حیثیت میں تھے فوراً حاضر ہو گئے۔ جب مہمان عورتوں کی ان پر نگاہ پڑی تو ان کے ہوش غائب ہو گئے۔ قرآن شریف میں ہے کہ انہوں نے اس بے ہوشی اور وارفتگی کے عالم میں چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے ﴿قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ﴾ پھر زلیخا نے ان سے کہا ذَا الْكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَنِي فِيهِ یہی ہے وہ جس کی محبت کی گرفتاری پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔) اب یہ خود تمہارا کیا حال ہوا؟

تو زلیخا نے ان عورتوں کی لعنت ملامت کا جواب دینے اور ان کو مطمئن کرنے کے لئے ان سے لمبی چوڑی بات نہیں کی، کوئی مقالہ پڑھ کر نہیں سنایا، بس حضرت یوسف علیہ



السلام کو ایک نظر دکھلا دیا۔ تو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حکمت عملی کے مطابق عمل کیا اس ذاتی تجربہ کے بعد تبلیغی کام کے سلسلہ میں میں نے خود بھی یہی رویہ اختیار کر لیا تھا اور میں نے اس کو ہمیشہ کامیاب پایا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۴۴۲ھ تا ۱۴۴۵ھ میں ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ دہلی سے پشاور تک کام میں سفر کیا تھا، مجھ کو ہی جماعت کا امیر بنادیا گیا تھا۔ دو تین دن ہمارا قیام لاہور بھی رہا قیام حسب معمول ایک مسجد میں تھا۔ آخری دن صبح کے وقت ایک صاحب تشریف لائے انہوں نے تعارف کرایا کہ حاجی عبدالواحد صاحب ایم اے جو آپ کے دوست ہیں میرے بھی خاص دوستوں میں ہیں انہوں نے مجھے آپ کی جماعت کے بارہ میں اور خود آپ کے بارہ میں بتلایا ہے، میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کی جماعت کے کام اور نظام کو آپ سے سمجھوں اور اگر سمجھ میں آجائے تو اس میں حصہ بھی لوں، ان کی گفتگو سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ٹیلی فون یا تار کے محکمہ کے ایک افسر ہیں۔ میں نے ان سے نیاز مندانہ طریقہ سے عرض کیا کہ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو اس کام کے بارہ میں کچھ عرض کر کے مطمئن کر سکوں۔ یہ کام دیکھنے سے اور عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ خود میں نے بھی اسے دیکھ کے اور عمل کر کے ہی کچھ سمجھا ہے۔ اس لئے آپ سے میری مخلصانہ گزارش ہے کہ آج ہم لوگوں کی یہاں سے روانگی ہے فلاں وقت ٹرین سے انشاء اللہ روانہ ہوں گے۔ آپ کے لئے ممکن ہو تو دو چار دن کے لئے ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں! وہ یہ سن کر خفا ہو گئے۔ بولے وہ دنیا کا کونسا کام ہے جو بتانے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آ سکتا، میں نے سنا تھا کہ آپ لوگ ہر ایک سے یہی کہتے ہیں کہ ساتھ چلو، دیکھو، تو سمجھ میں آئے گا! آپ ساری دنیا کو بیوقوف اور بے عقل سمجھتے ہیں آپ لوگوں کے پاس



آتے ہیں تو آپ کہتے ہیں پہلے چلے بھر کے لئے یادس دن یا تین دن کے لئے ساتھ چلو! بہر حال وہ خفا ہو کر یہ فرماتے ہوئے واپس چلے گئے۔ میں نے ان کی خفگی زائل کرنے کے لئے کچھ عرض کیا لیکن بظاہر وہ خفا ہی رہے۔

ٹرین کے وقت پر جب ہماری جماعت اسٹیشن پہونچی تو دیکھا کہ وہی صاحب بیگ ہاتھ میں لئے تشریف لارہے ہیں۔ مجھ سے ڈانٹ کے فرمایا لیجئے میں تین دن آپ کے ساتھ رہنے کے لئے آ گیا ہوں! چنانچہ وہ تین دن ہمارے ساتھ رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا فضل فرمایا کہ ان تین ہی دنوں میں تبلیغی کام کے بارہ میں ان کو پورا اطمینان و شرح صدر ہو گیا اور پھر تو پورے ”تبلیغی“ ہو گئے (حالانکہ خود یہ عاجز کبھی پورا ”تبلیغی“ نہیں ہو سکا) یہ اللہ کی دین ہے (ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

یہ تھے ہمارے محترم دوست عبد الحمید صاحب جو آخر میں ٹیلیفون اور تار کے ڈائرکٹر جنرل ہو گئے تھے اور اسی عہدہ سے غالباً رٹائرڈ ہو گئے۔ تین دن پورے ہونے پر وہ روتے ہوئے ہم لوگوں سے رخصت ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ ”آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ مجھ سے زبانی گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر آپ مجھے زبانی سمجھانے کی کوشش کرتے تو شاید میں نہ سمجھ سکتا اور اس طرح مطمئن نہ ہوتا۔“

اسی سفر میں ایک دوسرا واقعہ راولپنڈی میں پیش آیا، مسجد میں ہمارا قیام تھا۔ میرا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جماعت کے اپنے ساتھیوں کو اور مسجد کے نمازیوں میں سے جو لوگ ٹھہر جاتے ان کو بھی ساتھ بٹھا کر۔ ”ریاض الصالحین“ سے حدیثیں پڑھ کر ان کا ترجمہ اور کچھ تشریح کیا کرتا تھا۔ اس درس کے ختم پر ایک صاحب نے جو بڑے متین اور سنجیدہ معلوم ہوتے تھے مجھ سے کہا کہ میں آپ سے چند منٹ الگ کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ الگ بیٹھ گیا، انہوں نے فرمایا کہ میں اس تبلیغی کام کو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں



اور مجھے کچھ اشکالات ہیں۔ آپ اجازت دیں تو وہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے معمول کے مطابق ان سے بھی نیاز مندی سے عرض کیا کہ میں اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ میں آپ جیسے حضرات کے اشکالات رفع کر سکوں اور مطمئن کر سکوں۔ البتہ میری آپ سے مخلصانہ گزارش ہے کہ ہماری جماعت کل انشاء اللہ یہاں سے پشاور کے لئے روانہ ہوگی، آپ جماعت کے ساتھ تشریف لے چلیں جو کچھ ہوتا ہے سب آپ خود دیکھ لیں گے، اس کے بعد آپ کی جو رائے قائم ہوگی وہ زیادہ صحیح ہوگی۔ انہوں نے بتلایا کہ میں یہاں ایک اسکول سے متعلق ہوں، اسلئے میرے لئے آپ کے ساتھ چلنے کا امکان نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں عرض کر سکتا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ آپ کو موقع دے آپ کسی جماعت کے ساتھ رہ کر خود دیکھیں۔ اس گفتگو کے بعد وہ صاحب تشریف لے گئے۔ میں یہی سمجھا کہ وہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

اگلے دن صبح کو میں نے انکو فجر کی نماز میں بھی دیکھا، اس کے بعد وہ ”ریاض الحالین“ کے درس میں شریک رہے۔ درس کے ختم پر آج پھر انہوں نے فرمایا کہ میں چند منٹ علیحدہ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ الگ بیٹھ گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ سفر تو نہیں کر سکتا تھا لیکن کل صبح آپ سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ میں یہیں آج کا دن اور رات جماعت ہی کے ساتھ گزاروں گا۔ میں برابر جماعت ہی کے ساتھ رہا۔ اس وقت میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے آپ کی جماعت کے ساتھ رہنے سے مجھے بہت دینی نفع ہوا اور مجھے ایمان میں تازگی محسوس ہوئی اور میرے بہت سے اشکالات کا جواب مل گیا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہو گئے۔ راوالپنڈی سے ہماری جماعت پشاور چلی گئی وہاں سے کوہاٹ وغیرہ بھی جانا ہوا



وہی ہمارے سفر کی آخری منزل تھی۔ اسکے بعد واپسی ہو گئی.....

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا مضمون مکمل ہوا اور میں اس مضمون کو مذکور بالا سوال

کے جواب کے لئے کافی دشانی تصور کرتا ہوں۔ فقط (مرتب)

## ایک سنت زندہ کرنے پر شہیدوں کا ثواب

سوال : بعض تبلیغی اپنے بیان میں یہ من گھڑت روایت سناتے ہیں کہ جو شخص اس زمانہ

میں ایک سنت کو زندہ کرے گا اسکو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کیا کہیں

اسکا ثبوت ہے میرا دل اسکو قبول نہیں کرتا جب تک اسکا کوئی حوالہ نہ ہو۔

الجواب وباللہ التوفیق : یہ روایت من گھڑت نہیں ہے اپنی کم علمی کی یا لاعلمی کی وجہ

سے کسی کے بارے میں اس طرح کی بدگمانی نہیں رکھنی چاہئے یہ حدیث شریف، حدیث کی

مشہور کتاب ”سنن بیہقی“ کے کتاب الزہد میں موجود ہے،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ

تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ (رواہ البیہقی فی

کتاب الزہد) ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ: میری امت کے بگاڑ کے زمانہ میں جو شخص میری سنت اور میرے طریقے پر کار

بند رہے گا اسکو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

تشریح :- اتنا عظیم اجر ملنے کی وجہ یہ ہے جس طرح کفر کے مقابلہ پر اسلام کو

سر بلند کرنے اور دین کو زندہ رکھنے کے لئے شہیدوں کو بڑے مصائب اور بڑی قربانیوں کا

سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس وقت سنت نبوی ﷺ کو زندہ درانج



کرنے اور دین پر کار بند رہنے کے لئے بڑے بڑے مصائب و آلام جھیلنے پڑتے ہیں۔ اور سخت قربانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جب نہ صرف یہ کہ امت میں دین سے بے رغبتی اور فرائض اسلام سے غفلت کا یگاڑ ہر طرف پھیلا ہوا ہو بلکہ کفر و شرک اور الحاد کا غلبہ، دین و شریعت پر عمل پیرا رہنے والوں کی زندگی دو بھر کئے ہوئے ہو۔

کوئی گالی دے رہا ہے کوئی طعنہ دے رہا ہے کوئی تشنیع کر رہا ہے۔ بس آدمی کو سننا پڑتا ہے اور سہنا پڑتا ہے ہر وقت زخم لگتے رہتے ہیں۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا التِّيَامُ ☆ وَلَا يَلْتَأَمُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

تلوار کا تو گھاؤ بھر جاتا ہے مرہم پٹی سے مگر زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا۔

چھری کا تیر کا تلوار کا زخم تو بھرا ☆ لگا جو تیر زباں سے رہا ہمیشہ ہرا

جب دل ٹوٹ جائے گا گالم گلوچ سے پھر نہیں جڑتا، یہاں وہ زخم لگتے ہیں ہر وقت لگتے ہیں اور عمر بھر لگتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔ لَقَدْ أُؤْذِنْتُ فِي اللَّهِ وَ مَا أُؤْذَى أَحَدٌ مِثْلِي۔ مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا اتنی تکلیفیں دی گئیں جتنی تکلیف کسی کو نہیں دی گئیں۔

دوسری حدیث شریف حضرت بلال ابن حارث مزینی سے مروی ہے

عَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِنْتُتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْآخِرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ اثْمِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً۔ رواه الترمذی ورواه ابن



ماجه عن كثير بن عبد الله بن عمرو ابیه عن جدہ

ترجمہ: بلال ابن حارث مرنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری اس سنت کو زندہ کیا (یعنی اس پر عمل کیا اور اسکی ترویج و اشاعت کی) جو میرے بعد ترک کر دی گئی ہو تو یقیناً اسکو اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو (مجموعی طور پر ملے گا) بغیر اسکے کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے کوئی ایسی گمراہ کن بدعت ایجاد کی جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو تو اسکو اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے (مجموعی طور پر ہو گا) بغیر اسکے کہ ان کے گناہ میں کچھ کم کیا جائے۔

پھر غور کرنے کی بات ہے کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملے گا، یہ نہیں فرمایا کہ وہ شہید ہو گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اشراق پڑھنے والے کو کامل حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا جیسے والدین کے چہرہ کی طرف محبت سے دیکھنے والے کو مقبول حج کا ثواب ملے گا۔

جیسے مسجد نبوی شریف میں سیکھنے سکھانے کی نیت سے آنے والے کو جہاد کا ثواب ملے گا، فرض نماز کے لئے مسجد میں آنے والے کو حج اور چاشت پڑھنے کو عمرہ کا ثواب ملے گا۔

﴿وعنه﴾ ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ما من ولدٍ بارینظر الی والدیه نظرة رحمة الا کتب اللہ له بكل نظرة حجة مبرورة قالوا وان نظر کل يوم مائة مرة قال نعم اللہ اکبر واطیب (مشکوٰۃ) ص ۲۲۱ باب الشفقة و الرحمة علی الخلق حدیث نمبر ۴۹۳۸

ترجمہ: اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا جو بھی لڑکا اپنے ماں یا باپ کو محبت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکی ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول (نفلی) حج (کا ثواب) لکھتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ دن میں سو (۱۰۰) مرتبہ دیکھے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور پاکیزہ ہے۔ یعنی تمہارے گمان میں جو یہ بات ہے کہ ایک نظر کے بدلے ایک مقبول نفلی حج کا ثواب کیونکر لکھا جا سکتا ہے۔ تو یہ اجر و انعام اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکی وسعت و رحمت کی نسبت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے بھی بڑا اجر عطا کر سکتا ہے۔



﴿وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هَذَا لَمْ يَأْتِ إِلَّا لِيُخِيرَ يَتَعَلَّمَهُ أَوْ يُعَلِّمَهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعٍ غَيْرِهِ﴾

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ ص ۷۱ باب المسجد فصل ثالث حدیث نمبر ۷۴۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری مسجد میں آیا اور صرف نیک کام کے لیے آیا، کہ اسکو سیکھے اور سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مرتبہ میں ہے۔ اور جو شخص نیک کام کے علاوہ کے لیے آیا، تو وہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو اپنے علاوہ کے سامان کو دیکھتا ہے۔

﴿وَعَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يُنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلَىٰ إِثْرِ صَلَاةٍ لَا لُغُوبَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّينَ﴾

(رواہ احمد و ابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۷۰ المسجد فصل ثالث حدیث نمبر ۷۲۸)

ترجمہ: حضرت ابو امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے تو اسکو ایسے ہی ثواب ملتا ہے جس طرح احرام باندھ کر حج کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی نفل نماز پڑھنے کے لئے نکلا اور اس کو بھی کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی تو اسکا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کی طرح ہے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز سطور پر پڑھنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو کام نہ ہوا ہو یا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔



﴿عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي حِمَاةٍ ثُمَّ قَعْدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ﴾  
 (ترمذی شریف ص (۱۳۰) کتاب السفر، مشکوٰۃ ص ۸۹ باب الزکر بعد الصلوات حدیث نمبر ۹۷۱)  
 ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی پھر وہ مسجد میں رُکاوہا اور اللہ کا ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج نکل آیا پھر دو رکعتیں پڑھیں تو وہ دو رکعتیں اس کے لئے ایک حج اور ایک عمرہ کے ثواب کے مانند ہوں گی، راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ، یعنی کامل کامل کامل حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔

## تبلیغی محنت کے فوائد

یہ دعوت اور تبلیغ کا کام ہے، اسی دعوت اور تبلیغ کے کام کو مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ نے کیا۔ ایک جگہ حالت وہاں ایسی کہ لوگ مسلمان تھے، سروں پر اُن کے چوٹی اٹھی ہوئی، نام ان کے ہندوانہ، رسم و رواج ہندوانہ، بتوں کی پوجا پاٹ بھی کرتے تھے، کوئی چیز ان کے اندر ایمان کی نہیں تھی۔

ایک بستی ہے مسلمانوں کی لیکن مسجد میں نہ اذان ہوتی نہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی جاتا ہے۔ بکریاں بیٹھی ہیں مینگنیوں کے ڈھیر اُس میں پڑے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں کام شروع کیا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے گاؤں میں کون لوگ بستے ہیں؟ کہا مسلمان۔ فلاں گاؤں میں کون؟ کہا اس میں ہندو۔ پوچھا تم میں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ کہا ہمارا نکاح قاضی پڑھتا ہے ان کا نکاح پنڈت پڑھتا ہے۔ بس اور کوئی فرق نہیں۔ ایک شخص کو (مولانا نے) نماز پڑھنی سکھائی، اس نے نماز پڑھی، اس کو دیکھ کر لوگ جمع



ہو گئے۔ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بتلاتے تھے، دیکھو اس کے اوپر کیا ہے، کسی خبیث جن کا اثر ہے۔ اُلٹا سیدھا کیوں ہو رہا ہے۔ کبھی جھک رہا ہے کبھی گر رہا ہے، کبھی اُٹھ رہا ہے۔ ایسی جگہ پر کام شروع کیا، ان لوگوں کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے یہاں مدرسہ قائم کر لیں، اتنی صلاحیت نہیں کہ علم دین سیکھیں۔ ان کو چلے میں نکالنا شروع کیا۔ ان کے ایک میاں جی تھے۔ میاں جی کا کیا حال ہے؟ جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ قرآن شریف شاید اس نے پڑھا ہو۔ ایک پارہ پڑھا ہوا ہوگا۔ وہ میاں جی تبلیغ میں چلے۔ اور یہ جو دس آدمی ان کے ساتھ ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہی میاں جی ان کو کلمہ سکھا رہے ہیں، وہی میاں جی کسی کو الحمد سکھا رہے ہیں، کسی کو قل ہو اللہ سکھا رہے ہیں، کسی کو التحيات سکھا رہے ہیں کہ چلتا پھرتا مدرسہ ہے۔ دین سیکھنے کے واسطے دین سیکھنے کے لئے یہ مدرسہ تھا ان لوگوں کا۔ چالیس روز میں بہت کچھ آیا۔ وضو کرنا سیکھا، کلمہ کے الفاظ صحیح کر لئے، نماز کے سجدے رکوع کو صحیح کر لیا، الحمد یا کوئی سورت قل ہو اللہ یاد کر لی، التحيات یاد کر لی۔ اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ پانچ وقت پڑھنی ہوگی وہاں سے واپس آ گئے اپنے گھر۔ گھر آ کر اب گھر والوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو کہتا ہے۔ باپ بیٹے کو کہتا ہے، بیٹا باپ کو کہتا ہے، چچا بھتیجوں کو کہتا ہے۔ بھتیجا چچا کو۔ اس طریقے پر یہ دعوت عام ہوتی گئی۔ اور ان لوگوں کی جہالت کا یہ حال تھا کہ پانچ پانچ کوس کے فاصلے پر ایک ایک نقارہ رہتا تھا، جس کو دھونس کہتے تھے جب ان کے یہاں لڑائی ہوتی تھی عالمگیر ہوتی تھی۔ سب اس میں شریک ہوتے تھے تو نقارہ بجایا جاتا تھا۔ اس نقارے کی آواز پانچ کوس تک جاتی تھی۔ اس پانچ کوس پر دوسرا نقارہ رکھا ہوا ہے۔ اس آواز کو سن کر وہ دوسرا نقارہ بجاتا ہے۔ اس کی آواز اور پانچ کوس تک جاتی تھی تو تیسرا نقارہ بجتا۔ اس کی آواز سن کر سارے علاقے میں یہ شہرت ہو جاتی۔ پھیل جاتی آواز، کہ جنگ



ہے لڑائی ہے۔ کسی کے پاس کلہاڑی ہوتی، کسی کے پاس ڈنڈا، کسی کے پاس تلوار، کسی کے پاس بٹم، کسی کے پاس چاقو، کسی کے پاس لاٹھی۔ یہ لے کر نکل آتے۔ یہ نہیں پوچھتے کہ کس بات پر لڑائی ہوئی ہے، کس وجہ سے لڑائی ہو رہی ہے۔ لڑائی ہوتی بُری طرح سے۔

انگریز نے (اپنے دور حکومت میں) بہت چاہا کہ ان کے جرائم کو ختم کر دے۔ شراب پینے کی ان کی عادت، چوری کرنے کی ان کی عادت، ڈاکہ ڈالنے کی ان کی عادت، ساری بُرائیاں بھری ہوئی ان کے اندر اور ہیں مسلمان۔ سخت سے سخت مسلمان حاکموں کو مقرر کیا، تاکہ ان کی یہ حرکتیں بند ہوں مگر کامیابی نہیں ہو سکی۔ اس تبلیغی کام کی برکت سے اللہ نے کامیابی دی، ان کو حلال حرام تک کی تمیز نہیں تھی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرنا حلال ہے غیر سے صحبت کرنا حرام ہے، گالی دینا منع ہے، چوری کرنا منع ہے، پرایا مال لینا منع ہے۔ آہستہ آہستہ ان کو خبر ہو گئی ان چیزوں کی۔

ان کی جہالت کی کیفیت یہاں تک تھی کہ ایک نابینا میاں جی تھے، ان کے یہاں۔ ان سے بکرا بھی ذبح کراتے تھے، خود یہ لوگ ذبح نہیں کرتے تھے۔ ان کے پاس آئے کہ میاں جی یہ بکرا ذبح کر دیں۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے وہ لوگ جنھوں نے بکرے کو پکڑ رکھا تھا کہ ذبح ہو گیا یہ، کٹ گیا۔ دوسرے نے کہا ہاں ذبح ہو گیا۔ ایک نے کہا خون تو اس میں سے نکلا ہی نہیں۔ دوسرے نے کہا کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ خون نہیں بھی نکلتا۔ بس میاں جی تو چلے گئے۔

اس کے بعد جنھوں نے اس بکرے کے پیر پکڑ رکھے تھے۔ جب پکڑ سے چھوڑا تو بکرا بھی اٹھ کر چل دیا۔ انھوں نے کہا۔ یہ تو جی گیا (دوبارہ زندہ ہو گیا) پھر میاں جی کے پاس گئے کہ میاں جی بکرا تو دوبارہ زندہ ہو گیا۔ تب میاں جی پھر دوبارہ ذبح کرنے آئے۔ (جہالت کا یہ عالم کہ ذبح کا مفہوم بھی نہ جانتے سمجھتے تھے) چھری وہ ایسی تھی کہ جس کے اوپر



دادا پر دادا کے زمانے میں کچھ پڑھ کر رکھا تھا بسم اللہ اکبر (اسی پڑھے ہوئے کو کافی سمجھ کر اس چھری سے ذبح کرتے تھے۔ خود بسم اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے کہ یہ چھری پڑھی ہوئی ہے۔ یہ کیفیت تھی ان کے جہالت کی۔ اب جو بکرادوبارہ پکڑ کے لائے اور میاں جی نے ذبح کرنا شروع کیا۔ میاں جی کے ہاتھ میں اب چھری تھی تو سیدھی چلائی۔ بکرے نے چلانا شروع کیا۔ ”میں، میں، میں“ تو میاں جی نے بکرے کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کو ذبح کرتا جاتا گالیاں دیتا جاتا۔ یہ تو جہالت کے نمونے بتاتا ہوں، یہ حالت ان لوگوں کی تھی۔

وہاں پر جب یہ کام (تبلیغی) ہونے لگا تو شروع شروع میں مخالفت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ یہ تو انگریز کے آدمی ہیں، کسی نے کہا سی۔ آئی۔ ڈی ہیں، کسی نے کہا دھوکا دینے والے ہیں اور نہ جانے کیا کیا؟ جو حقیقت ہے وہ تو ایک روز واضح ہو کے رہتی ہے۔

وہاں ایک علاقہ میں مدرسہ قائم کیا، اپنے پاس سے تنخواہ دی، مدرس بنا کے رکھا مگر پڑھنے کون آئے، کوئی شوق ہو، دین کی عزت، دین کی رغبت ہو قلب میں تو پڑھنے بھی آئیں، کون پڑھنے کے لئے آئے۔ آئے بھی تو بہت معمولی۔ پھر یہ تبلیغی کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ ایک جذبہ تھا ایک عام آواز تھی چلو دین سیکھنے کے لئے، دین سیکھنے کے نام پر نکلتے تھے۔ ایک چلہ، دو چلہ، تین چلہ، ایک سال کے لئے نکلتے تھے۔

بعض آدمیوں نے ان ہی چلوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ خود غور کر لیجئے کہ ایک شخص کو شراب پینے کی عادت ہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی ہے شراب سے۔ جب چلے میں نکلے تو چالیس روز تک وہ شراب نہیں پئے گا، کتنی بڑی دولت ہے یہ کہ چالیس روز تک شراب کی لعنت سے بچا رہا۔ اب گھر آیا، خیال آیا ہے شراب پینے کا۔ مگر خیال آتا



ہے اور تبلیغ میں تو یہ پڑھا تھا یہ یہ سنا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی۔  
ان لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کیں، دین سیکھا، جگہ جگہ مدرسے بھی قائم  
ہو گئے اور وہاں کے لڑکے دوسری جگہ بھی گئے جہاں مدرسے موجود تھے۔ وہاں حدیث  
پڑھی، فقہ پڑھا، تفسیر پڑھی، ان کی زندگی درست ہو گئی۔  
پچیس سال تک یہ محنتیں مسلسل کی گئیں۔ پانچ پانچ کوس کا ایک مرکز بنا دیا گیا،  
کام چلتا رہا، انہی لوگوں کا یہ حال ہوا کہ وہاں جا کر پوچھا ایک بیچ کوسہ میں۔ بتاؤ بھائی  
تمہارے اس بیچ کوسہ میں دین کا کیا کام ہوا؟ جو شخص مبلغ تھا وہاں رہتا تھا۔ اس نے  
بتایا کہ حضرت ہمارے اس پانچ کوس کے علاقے میں تین آدمیوں کے سوا باقی سب  
جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے پانچ کوسہ میں گئے۔ وہاں پوچھا کہ تمہارا اس علاقے میں دین کا کیا کام  
ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے اس علاقے میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن میں آپس  
میں لڑائی ہو، ناراضگی ہو، سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے یہاں اس  
سے قبل لڑائی کثرت سے ہوتی تھی۔

ایک علاقے میں جا کر پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا کام ہوا؟ کہا کہ جتنے بھی بالغ  
اس علاقے میں ہیں وہ سب کے سب تہجد کے پابند ہیں۔ کتنا بڑا انقلاب آیا۔  
اس کو دیکھا انگریز نے بھی دوسرے لوگوں نے بھی۔ ایک شخص نے چوری کی تھی،  
اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ تھانیدار ہندو تھا۔ مسلمان نہیں تھا۔ تھانیدار نے اس چور سے پوچھا۔ تم  
نے تبلیغ میں چلہ دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس کی پٹائی کی۔ اس سے وعدہ کرایا کہ میں تبلیغ  
میں چلہ دیدوں گا۔ اس نے وعدہ کیا تو اس کو چھوڑ دیا۔ وہ تھانیدار جانتا تھا، سمجھتا تھا کہ یہ جو



چوری وغیرہ جرائم ہوتے ہیں تبلیغ کے ذریعہ سے ختم ہوتے ہیں۔

کیفیت یہ کہ دو شخصوں کے درمیان (جو دونوں تبلیغی آدمی تھے) لڑائی ہو گئی۔ ایک نے دوسرے کو گھونسا مارا، اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ اب اس کو خیال آیا کہ میں نے غلطی کی، اس کا دانت توڑ دیا۔ اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ میاں جی کے پاس آ گیا۔ اس نے پوچھا میاں جی بتاؤ۔ دانت ٹوٹ گیا میری وجہ سے ایک کا، اس کی سزا کیا ہے؟ میاں جی نے کہا وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ۔ دانت کے بدلے دانت۔ کہا اچھی بات ہے۔ گیا، لیٹ گیا۔ اس سے کہا جس کا دانت توڑا تھا، لو بھائی۔ میرا دانت توڑ دو جس طرح سے تیرا جی چاہے۔ پھر مار کر توڑ یا کسی طرح۔ اس نے پوچھا میاں جی معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا وَاِنْ تَعْفُوا اقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ معاف کرنا تو بڑی اچھی بات ہے، بس معاف کر دیا۔

تو یہ جذبہ پیدا ہو جانا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اور اس غلطی کا بدلہ دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا، اپنے دانت کو پیش کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔

آج کل جو مصیبت ہے وہ یہی کہ ہمیں گناہ کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ کام گناہ کا ہے، ہم نے کسی کی حق تلفی کی، کسی کو نقصان پہونچا دیا۔ احساس نہیں کہ یہ بھی گناہ ہے۔

اپنے یہاں کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک کاشتکار کے ساتھ کھیتوں میں پھر رہا تھا۔ وہ بتلا رہا تھا کہ یہ کھیت کس کا۔ یہ کھیت کس کا۔ اس نے کہا۔ مولوی! ہماری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا مصیبت آئی تمہارے اوپر، کیوں تمہاری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے۔ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا۔ دیکھئے صاحب! یہ کھیت میرا ہے، یہ کھیت میرے پڑوسی کا۔ میرے کھیت میں بھی چنا ہے، میرے پڑوسی کے کھیت میں بھی چنا ہے۔ رات کو جب میں یہاں



سے اپنے گھر جاؤں گا تو چنا اکھاڑ کر لے جاؤں گا پڑوسی کے کھیت میں سے۔ اپنے کھیت میں سے نہیں لوں گا۔ اور پڑوسی میرے کھیت میں سے لے گا اپنے میں سے نہیں۔ چتا وہی دونوں کا ادھر بھی ادھر بھی۔ گتے کی ضرورت پیش آئی پڑوسی کے کھیت میں سے اکھاڑوں گا اپنے کھیت میں سے نہیں۔

اب اس کا کیا حل ہے کسی کے پاس۔ دیکھ رہے ہیں جان رہے ہیں لیکن ڈر نہیں دل کے اندر، عقل نہیں۔ احساس اس کا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔ اس بات کا احساس نہیں کہ ہمیں دُنیا میں اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ اللہ کو راضی کریں۔ ایسے اعمال اختیار کریں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ احساس ہی نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھانے، پینے، سونے کے اندر خرچ کر دیں۔ جیسے جانوروں کا حال ہوتا ہے کھانے پینے سونے کے اندر۔ کھانا ملنا چاہئے۔ چاہے حلال ہو یا حرام۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

كُلْ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الْحَرَامِ فَالْنَارُ أَوْلَىٰ بِهِ انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے تیار ہوتا ہے وہ دوزخ میں جانیکے لائق ہے یہ سوچنا چاہئے۔

(ماخوذ از: مواظفہ الامت قسط خامس)

## ام الامراض (تکبر) کا علاج تبلیغی چلہ ہے

بشرطیکہ مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رہے

اور (تکبر کا) دوسرا علاج یہ ہے کہ وقت نکال کر اپنی اصلاح کے لئے تبلیغی جماعت کے ساتھ سفر کرے اور اس سفر میں ذکر کی پابندی رکھے اور امیر کی بھی فرمانبرداری کرے اور اس کے کہنے سے بیان بھی کر دیا کرے لیکن تبلیغ اور نصیحت کی نیت سے نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح اور امیر کی فرماں برداری کے ارادہ سے کرے۔ تکبر وغیرہ رذائل کی اصلاح



کے جتنے اسباب ہیں وہ سب اس تبلیغی کام میں جمع ہیں۔ مثلاً اول اپنے محبوب ماحول اور ضروری مشاغل سے نکلنے کی قربانی کی جاتی ہے۔ مال کمانے کے بجائے اس راستہ میں مال اس طرح خرچ کیا جاتا ہے کہ ریا اور جاہ کا سبب نہیں ہوتا کہ زیادہ تر اپنے پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ صلیح کی صحبت ملتی ہے جسمیں ہر وقت آخرت کے تذکرے، موت کی یاد آپس میں محبت پیدا کرنے کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور اپنا بستر خود اٹھائے اٹھائے پھرنا اور اللہ کے لئے دوسرے ضعیف رفقاء کی خدمت کرنا، خود کھانا پکانا غربا کے ساتھ مل کر کھانا، خود برتن دھونا، پیدل سفر کرنا، مساجد میں زمین پر سونا، کبھی گرمی کبھی سردی، کبھی بھوک پیاس کو برداشت کرنا، کبھی سونے جاگنے میں بے نظمی وغیرہ جملہ جسمانی مجاہدے سے نفس کی قوت ٹوٹی ہے، پھر گشت میں لوگوں کی ناگوار باتیں برداشت کی جاتی ہیں، اللہ کے لئے انکے ساتھ تواضع اختیار کی جاتی ہے، ان کی بداخلاقی پر صبر کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے لئے دعا کی جاتی ہے، ان کو بات سمجھانے اور منانے کے لئے دل سوزی کی جاتی ہے، ان کی خوشامد کی جاتی ہے۔ تقریر و بیان کی عادت اور تجربہ نہ ہونے کے باوجود مجمع کے اندر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے حقوق چھوڑنے، بڑوں کا اکرام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی مشق ہوتی ہے، جاہ و مال کے ذکر کے بجائے اللہ کی بڑائی اور اللہ سے سب کچھ ہونے اور اپنے لاشیٰ ہونے کا تذکرہ ہوتا ہے۔ برائیوں کو دور کرنے والی حقیقی نماز پڑھنے کو سیکھنا اور عمل میں لانا ہوتا ہے۔ تلاوت و ذکر کی تسبیحات کی پابندی ہوتی ہے، جس سے دل میں نور اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں کے فضائل کی تعلیم اور ضروری علم کا سیکھنا سکھانا ہوتا ہے جس سے اپنی کوتاہی اور جہالت سامنے آتی ہے۔ غرض اس کام میں مجاہدہ، ذکر، نیک صحبت، تعلیم، دنیا سے یکسوئی، امیر کی اطاعت وغیرہ اصلاح نفس کے سب ضروری اجزا شامل ہیں اور وہ سب امور ہیں جس کو اعلیٰ ایمانی و احسانی کیفیت پیدا کروانے کے لئے مشائخ سلوک و طریقت سے پہلے ان کے پابند



ہونے کو لازم بتایا کرتے ہیں اور وہ حضرات یہ ابتدائی معمولات انفرادی طور پر تعلیم کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت میں اسکی اجتماعی صورت ہے جس سے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے آجکل امت کے عمومی بگاڑ کی حالت میں اس عمومی طریق کار کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ عام حالت میں حفظانِ صحت کے مراکز اور باقاعدہ شفا خانے کافی ہوتے ہیں لیکن کسی مرض کی وبا عام ہونے پر ان پر اکتفا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ محلہ در محلہ گھوم کر گھر گھر پہنچ کر ٹیکے اور دوائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس میں ماہر ڈاکٹروں کی زیر سرپرستی عوام سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ آجکل اس تبلیغی کام کی افادیت اور نتائج کی بنا پر علماء و مشائخ اس کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں اور اہل باطن مشائخ تو بشارتوں اور تائیدِ غیبی کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کام پر خصوصی توجہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ اور قبولیت کا اعلان فرماتے ہیں۔ تکبر کے علاج کے سلسلہ میں مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے اصولوں کے تحت اپنی اصلاح کی نیت سے کچھ وقت لگایا ہوتا ہے ان میں تواضع کی صفت نمایاں ہوتی ہے ان کی تواضع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کا آدمی ہے۔ ہاں جو کوئی دوسری اغراض کے تحت کام کرتا ہو اور اپنی اصلاح کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہی کام اس میں عجب پیدا کر دیتا ہے

کہ وہ دوسرے کسی بھی دینی کام اور دینی شخصیت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی دوا تقسیم کرنے والا دن رات خوب کام کر کے یہ سمجھنے لگے کہ بس کام تو میں کرتا ہوں یہ ڈاکٹر اور محکمہ صحت کے کرسیوں پر بیٹھنے والے افسران سب بیکار ہیں، یہ غلط نتیجہ اصولوں کے ضائع کر دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ تبلیغ علم و ذکر کوئی بھی لائن ہو، اصولوں کے خلاف اور آداب کی رعایت نہ ہونے سے ہر جگہ غلط نتائج نکلیں گے۔

﴿ام الامراض:۔ مرتبہ صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ﴾



## دو دن تبلیغی مرکز نظام الدین میں

### تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک صاحب قلم کا تبصرہ

اپراٹھیا اکسپرس اپنی پوری رفتار سے فرار لے بھرتی چلی جا رہی تھی۔ راستہ میں دونوں طرف سرسبز کھیتوں اور ڈبڈبائے ہوئے نالوں اورندیوں کا مسلسل منظر نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا، مگر ٹرین کے لئے ان خوشنما مناظر میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پستی اور بلندی، خشکی اور پانی اس کی رفتار میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتے تھے۔ راستہ میں چھوٹے چھوٹے اسٹیشن آئے مگر وہ ان کو چھوڑتی ہوئی اس طرح بھاگی چلی جا رہی تھی گویا اسے کہیں ٹھہرنا نہیں ہے۔

دل نے کہا حق کے مسافر کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ دنیا کے خوشنما مناظر اس کو لبھانے کے لئے سامنے آتے ہیں مگر وہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سائے اور اقامت گاہیں اس کو ٹھہرنے اور آرام کرنے کی دعوت دیتے ہیں مگر وہ اپنے منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مقاصد اس کا راستہ روکتے ہیں مگر وہ ہر ایک سے دامن بچاتا ہوا بڑھتا چلا جاتا ہے، زندگی کے نشیب و فراز اس سے ٹکراتے ہیں، مگر اس کے عزم اور اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ حق کا مسافر ایک بے مقصد دنیا میں بھٹکتے ہوئے شخص کے مانند نہیں ہے، بلکہ اس کے ذہن میں ایک مقصد ہے اور اس کے سامنے ایک معلوم منزل ہے پھر وہ کیسے کہیں اور رک سکتا ہے۔ کیسے دوسری چیز میں الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے کو پسند کر سکتا ہے۔ اسے تو بڑھنا ہے اور بڑھتے ہی رہنا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد کو پا لے، یہاں تک کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔



یہ ماہ اگست ۱۹۶۶ء کی چودہ تاریخ تھی دن کے دس بجے ہم اپنی منزل پر پہنچے۔ دہلی کے مشرقی کنارے پر (حضرت) خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار سے تھوڑے فاصلے پر ”بنگلہ والی مسجد“ ہماری منزل تھی جو تیس سال سے تبلیغ و اصلاح کی مشہور تحریک کا مرکز ہے۔ کسی وقت یہ جگہ شہر سے الگ تھلگ بالکل سنسان حالت میں تھی مگر اب بھی وہ ”بستی نظام الدین“ کے نام سے مشہور ہے، جہاں اچھی خاصی آبادی ہو چکی ہے۔ اور جو دہلی کا رپوریشن کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی تحریک تبلیغ کا گویا ایک تمثیل ہے، جس وقت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کام کا آغاز کیا تو یہاں کی سنسان آبادی کی طرح وہ ایک نامانوس اور غیر مقبول آواز تھی۔ مگر آج ایک عالم اس دعوت کی طرف متوجہ ہے جس طرح یہ آبادی اب ایک پر رونق شہر میں تبدیل ہو چکی ہے۔ نظام الدین آج ایک ملک گیر بلکہ عالم گیر تحریک کا مرکز بنا ہوا ہے، اس کی مثال قلب کی سی ہے۔ جس طرح قلب (دل) سے خون چلتا ہے اور سارے جسم میں گھوم کر پھر قلب کی طرف واپس آتا ہے۔ اسی طرح بے شمار انسان یہاں سے نکل نکل کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلتے ہیں اور پھر واپس آ کر نئی قوت لیتے ہیں اور دوبارہ اپنے تبلیغی سفر کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک ایسی حرکت کے سرے ملتے ہیں، جس کا آغاز تو ہے مگر جس کا کوئی اختتام نہیں۔

میرے سامنے ایک بوڑھا شخص تھا، چہرہ پر ہڈیاں نکلی ہوئی، حلیہ سے افلاس اور جہالت نمایاں قدیم طرز کے دو گول شیشے کپڑے اور چمڑے کی مدد سے باندھ کر کانوں میں انکائے گئے تھے، یہ اس کی عینک تھی، دوسری طرف وہ چہرے اور جسم بھی تھے، جن پر کھیاں پھیلتی ہیں اور جنکے وضع و لباس میں علم و امارت کی شان نمایاں تھی۔ اور یہ سب لوگ یکساں توجہ اور انہماک کے ساتھ مقرر کی تقریر سن رہے تھے، ایسی تقریر جو علمی تعریف کے مطابق نہ



تقریر کہی جاسکتی ہے اور نہ وعظ مگر اس کے باوجود اس کے اندر جادو کی سی کشش تھی، اور سارے لوگ غیر اختیاری طور پر اس کی طرف کھینچے چلے جا رہے تھے۔

(۱) ”بنگلہ والی مسجد“ کی اس دنیا میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی چیز جو آدمی کو اپنی طرف کھینچتی ہے، وہ یہاں کا مجمع ہے۔ ناظر دیکھتا ہے کہ انسان کا ایک ہجوم ہے جو پروانہ وار اُمنڈا چلا آ رہا ہے۔ اس میں جاہل بھی ہیں اور عالم بھی، تہذیب پوش بھی اور پتلون پوش بھی، موٹے بھی ہیں اور دبلے بھی جو ان بھی ہیں اور بوڑھے بھی قریب کے بھی ہیں اور دور کے بھی۔ حتیٰ کہ ملک کے باہر دوسرے دوسرے جغرافیائی علاقوں کے بھی، جنکی صورتیں الگ، جن کے لباس مختلف، جن کی زبانیں ہم سے جدا اور یہ سارے لوگ اس طرح آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں جیسے کوئی سیلاب ہے جو بہہ رہا ہے اور کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

آخر وہ کیا چیز ہے جو ان بے شمار انسانوں کو اس بستی کی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ سب سے پہلا سوال ہے جو نو وارد کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے مگر قبل اس کے کہ وہ کسی سے پوچھ کر اس کا جواب معلوم کرے وہ خود ہی اس سوال کا جواب پالیتا ہے، جب وہ یہاں کے پروگراموں میں شریک ہوتا ہے، یہاں کی باتوں کو سنتا ہے، یہاں کی بلبلا دینے والی دعاؤں پر آمین کہتا ہے، تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ ایک غیر معمولی تسخیری قوت ہے جو اس کے دل و دماغ پر قبضہ کئے جا رہی ہے کوئی روحانی مقناطیس ہے جو بے پناہ کشش سے اس کو اپنی طرف کھینچے چلا جا رہا ہے، وہ خود اپنے ذاتی تجربہ میں اس سوال کا جواب پالیتا ہے کہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر سے اتنے سارے لوگ کیوں پروانوں کی طرح اس بستی پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ کیونکہ یہ مسجد بے شمار انسانوں کی نقل و حرکت کا مرکز بن گئی ہے۔



مسجد کے اوپر ایک کمرے میں سو رہا تھا کہ دور سے آنے والی الارم کی آواز نے مجھے جگا دیا۔ یہ رات کے ساڑھے تین بجے تھے۔ اب تبلیغ کے اس مرکز میں سرگرمیوں کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ چاروں طرف انسانوں کی ہلچل نظر آنے لگی۔ سینکڑوں لوگوں نے اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز میں مشغول ہو گئے، نماز کے بعد کوئی دعاء کر رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی رو رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی اپنی اور امت کی اصلاح کی درخواست لے کر خدا کے حضور سجدہ میں پڑا ہوا ہے، یہاں تک کہ ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ کی آواز کے ساتھ مؤذن نے اعلان کیا کہ فجر کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ اب فجر کی سنتیں پڑھی گئیں اور سو پانچ بجے فجر کی نماز ہوئی۔ تکبیر ہوئی تو تقریباً تین سو آدمی بیک وقت جماعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔

نماز کے فوراً بعد بیان ہوگا، سب لوگ یہیں مسجد میں ٹھہرے رہیں، جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا۔ اب تقریر شروع ہوئی موضوع تھا ”دین اور دنیا کا تعلق“ سادہ الفاظ، بے تکلف انداز، قریب کی آسان مثالیں، دینی جذبہ ابھارنے والی نفسیاتی باتیں، جگہ جگہ جان ڈانے والے واقعات سے استدلال، نہ تقریر کی خطابت، نہ وعظ کی اکتاہٹ یہ تھا تقریر کا خلاصہ۔ صبح کے چھپٹے میں تقریر شروع ہوئی اور اتنی دیر تک جاری رہی کہ سورج اوپر آ گیا مگر تقریر میں اتنی جاذبیت تھی کہ شاید ہی کوئی شخص درمیان میں اٹھا ہو۔ تقریر کے بعد باہر نکلنے کی دعوت دی گئی۔ لوگوں نے اپنے نام لکھوائے اور ساڑھے آٹھ بجے پروگرام ختم ہوا۔

اس کے بعد اجتماعی ناشتہ ہوا۔ ناشتہ کے بعد پھر تعلیم و تقریر کی مجلس شروع ہو گئی جس میں اللہ سے تعلق قائم کرانے اور اس پر بھروسہ کرنے کی تلقین تھی، آخر میں طویل دعاء



ہوئی۔ مجلس کے درمیان میں امیر بیٹھ کر دعا کر رہا تھا اور حاضرین رو کر آمین کہہ رہے تھے۔ دعا میں انسانی کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو اس طرح نمایاں کیا جا رہا تھا، اور انسان کی فطرت میں دبے ہوئے جذبات کو اس طرح ابھارا جا رہا تھا کہ دل دہلے پڑ رہے تھے۔ دعا کے بعد جماعتوں کی روانگی کا پروگرام تھا، جن لوگوں نے اپنے نام تبلیغی سفروں کے لئے لکھوائے تھے، ان لوگوں کی الگ الگ علاقوں کے اعتبار سے فہرستیں تیار کر لی گئی تھیں، ایک شخص کھڑے ہو کر جماعت کے افراد کا نام پکارتا تھا، اور لوگ آ کر امیر سے مصافحہ کر کے روانہ ہو رہے تھے۔ عجیب منظر تھا جو مسجد نبوی کے اس منظر کو یاد دلاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ترغیب دے کر مختلف علاقوں کو سرایا روانہ فرمایا کرتے تھے۔ امیر ہر ایک سے مصافحہ کر کے کہتا تھا: ”يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ“ میں تم کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور تمہارے لئے خیر کی دعا کرتا ہوں، اللہ قبول فرمائے تم کو بھی، مجھ کو بھی اور پوری امت کو، ایک جماعت میں ایک ایسے شخص نے نام لکھوایا تھا جو ایک پاؤں سے معذور تھا، وہ لنگڑا تا ہوا آیا اور لنگڑاتا ہوا واپس گیا، ایک اور شخص اپنے چھوٹے بچے (عمر تقریباً دس سال) کو بھی ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ یہ سب مناظر اس قدر پرکشش تھے کہ مشکل ہی سے کوئی ان سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے۔

ساڑھ بارہ بجے یہ پروگرام ختم ہوا۔ دوپہر کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کے لئے وقفہ دیا گیا، تین بجے ظہر کی نماز پڑھی گئی اور نماز کے بعد پھر وہی تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ درمیان میں عصر کی نماز ہوئی اور عصر کی نماز کے بعد پھر مغرب تک مسلسل تقریر، عشاء کے بعد کھانے کا وقفہ، کھانے کے بعد پھر تقریر اور درس نصف شب میں جا کر یہ سلسلہ ختم ہوا۔



یہ پروگرام جو میں نے لکھا کسی ایک دن کا قصہ نہیں بلکہ یہی یہاں کا روزانہ کا معمول ہے، کسی تحریک کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اجتماع میں رات دن جو ہما ہی اور مصروفیت ہوتی ہے، وہ یہاں سال بھر جاری رہتی ہے۔ تعلیم، تقریر، درس، بیان، دعاء، وضو، نماز، ذکر، تضرع، گریہ و زاری اسی کے ساتھ خدمت، اخلاق، شرافت سینکڑوں انسان ہر آن ان مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک ایمانی ہلچل اور اسلامی گرم بازاری ہے جو ہر وقت جاری ہے۔

﴿۲﴾ یہ اس دنیا کی سب سے پہلی خصوصیت ہے، جو ایک نووارد یہاں محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبلیغی مرکز دوسری جماعتوں اور پارٹیوں کے مراکز سے کس قدر مختلف ہے، تمام جماعتیں خواہ وہ دینی ہوں یا غیر دینی، بلا استثناء ان کے مراکز آج تک ”دفتر“ میں تبدیل ہو چکے ہیں، جماعتوں اور پارٹیوں کے مراکز میں جا کر کوئی شخص ان کی تحریک کو نہیں پاتا۔ اس کے سامنے بس ایک دفتر ہوتا ہے جس کے مختلف شعبے ہیں کہیں صدر کی تختی لگی ہوئی ہے، کہیں سکریریٹری کی، کوئی مہمان خانہ کا کمرہ ہے، اور کوئی طعام خانہ کا، اور ان دفاتروں میں جو سرگرمیاں روزانہ ہوتی ہیں وہ کیا ہیں۔ اخباروں کا مطالعہ، پارٹی کے نقطہ نظر سے ملکی حالات پر تبصرے، رجسٹروں کی خانہ پُری، رپورٹوں کی تیاری، خط و کتابت، سرکلر کی روانگی، تنظیمی مسائل پر بحثیں، لیڈروں کے استقبال کی تیاریاں، غرض وہی سب کچھ جو عام قسم کے دفاتروں میں ہوتا ہے وہی ان جماعتی دفاتر میں بھی روزانہ ہوتا ہے۔

یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں ہے، یہ ایک ایسا فرق ہے جو نظام الدین کی اس بنگلہ والی مسجد کو مدینہ کی قدیم مسجد نبوی ﷺ سے مشابہ کر دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں مسجد نبوی ﷺ اسلامی تحریک کا مرکز تھی، مگر یہ مرکز اس قسم کی رسمی کارروائیوں



کا دفتر نہیں تھا، جیسے آج کل کی جماعتوں کا ہوتا ہے، بلکہ یہ خود اسلام اور اسلامی زندگی کا مرکز تھا وہاں نماز کی اقامت، ذکر کی مجالس، خدا سے لپٹنا، اپنے دوسرے بھائیوں کی خدمت، قرآن کی تلاوت، سنت کا چرچا، اسلام کے پھیلانے کی فکریں ہوا کرتی تھیں، مسجد نبوی ﷺ میں آکر ایک شخص ویسا ہی محسوس کرتا تھا، جیسے سخت سردی یا سخت گرمی کے زمانے میں باہر کی فضاء سے چل کر کوئی شخص یکا یک ایرکنڈیشنڈ عمارت میں داخل ہو جائے۔ ابتدائی دور کی مسجد نبوی ﷺ میں نہ عمارت کی شان و شوکت تھی نہ سامان آرائش کا ہجوم البتہ وہاں آدمی اسلام کو دیکھتا، وہاں تعلق باللہ کے مناظر اس کو اپنی طرف کھینچتے تھے، وہاں دین کا درد بڑھتا ہوا نظر آتا تھا۔ وہاں قرآن واقعہ بننے کی کوشش کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا، چنانچہ جو شخص مسجد نبوی ﷺ کے اسلامی ماحول میں داخل ہوتا تھا، وہ متاثر ہوئے بغیر باہر نہیں آتا تھا۔

بنگلہ والی مسجد کا یہ ماحول جو چوتھائی صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے جاری ہے، یہ سنت نبوی ﷺ کے ایک ایسے پہلو کا احیاء ہے جس کی نظیر شاید سارے عالم اسلامی میں کہیں بھی نہیں مل سکتی۔ آج دنیا میں اسلامی دفاتر تو اتنے ملیں گے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ مگر مسجد نبوی ﷺ کے نمونہ کا اسلامی مرکز کہیں بھی نہیں مل سکتا اور یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تنہا یہی واقعہ کسی کوشش کی طرف نصرت الہی کو متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے، سید عطاء اللہ صاحب بخاری کے متعلق سنا کہ وہ ایک بار یہاں آئے اور یہاں کا منظر دیکھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا: ”میں یہ سمجھتا تھا کہ نظام الدین اولیاء ختم ہو گئے، مگر میں نے بستی نظام الدین میں آکر دیکھا کہ نظام الدین اولیاء تو ابھی تک زندہ ہیں وہاں جا کر میں دوبارہ مسلمان ہوا جس کو مسلمان بننا ہے وہاں جائے۔“

﴿۳﴾ کام کا یہ اندازہ اس تحریک کے طریق کار کا اہم ترین جز ہے اس کو سمجھنے کے لئے



تحریک کے آغاز میں جانا پڑے گا۔ مرکز نظام الدین میں ایک شخص سے بات کر رہا تھا۔ میرے قریب ایک بزرگ بیٹھے تھے وضع قطع سے دیہاتی اور بالکل ان پڑھ معلوم ہوتے تھے، میرے ساتھی نے ایک موقع پر شہادت کی موت کا ذکر کیا، اس درمیان میں خاموش دیہاتی نے نہایت اطمینان اور اعتماد کے ساتھ اس میں اپنے ایک جملہ کا اضافہ کیا اور شہادت بھی وہ جو دعوت کی راہ میں پیش آئے، اس نے کہا۔ اس کے اس ایک جملہ سے اندازہ ہوا کہ وہ خواہ جاہل ہو مگر صاحب معرفت ہے، میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک میواتی بزرگ ہیں جو ۱۸ سال کی عمر میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی دعوت میں شریک ہوئے تھے اور جب سے اب تک اسی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

یہ میواتی بزرگ ادھیڑ عمر کے بھاری بھر کم آدمی ہیں، سانولے رنگ کے چہرے پر پر شکوہ داڑھی کے ساتھ جب وہ سادگی اور اعتماد کے الفاظ بکھیر رہے تھے، تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں قرون اول کی کسی ہستی سے مخاطب ہوں، ایک ان پڑھ شخص کے آگے میرے سارے الفاظ اور میرا تمام علم گم ہو گیا تھا اور میں اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر ان کی باتیں سن رہا تھا جیسے کوئی سعادت مند شاگرد اپنے شفیق استاد کے درس کو سنتا ہے، مگر افسوس کہ ایک اتفاقی سبب سے یہ گفتگو مکمل نہ ہو سکی اور ہم دونوں قبل از وقت ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

یہاں مجھے ان کی صرف ایک بات کا ذکر کرنا ہے انھوں نے بتایا کہ ۸۰ میل چوڑے اور ۸۰ میل لمبے میوات کے علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی تھی۔ مگر عالم یہ تھا کہ گوبر اور پتھر پوجتے تھے۔ سید سالار غازی کے علم کا سالانہ مظاہرہ ان کے نزدیک سب سے بڑا کام تھا۔ عمل سے لیکر وضع قطع تک کہیں اسلامیت نہیں تھی۔ ان کی اصلاح کیلئے مولانا الیاس صاحب نے میوات کے علاقے میں مکاتب کھولے،



ان مکاتب کو قائم کرنے میں سخت دقتیں پیش آئیں، کیونکہ جاہل میواتی اپنے بچے اس میں دینے کے لئے تیار نہیں تھے، وہ کہتے کہ ہمارا بچہ کھیت اور مویشی کے کام دیکھے گا۔ پڑھ کر کیا کرے گا۔ غرض بڑی بڑی مشکلوں سے مدرسہ جاری ہوا۔ مگر جب لڑکے وہاں سے پڑھ کر نکلے تو اخلاقی اور دینی اعتبار سے وہ بھی ویسے ہی بن گئے، جیسی ان کی آبادی تھی، حتیٰ کہ چوروں اور ڈاکوؤں کی بستی سے آنے والے لڑکے پڑھنے کے بعد خود بھی چور اور ڈاکو بن گئے ہیں اس وقت میوات کے رہنے والے مسلمان اس قدر اُجڑ تھے کہ ایک بار مولانا الیاس صاحب ایک شخص کے اوپر تبلیغ کر رہے تھے میواتی ان کی تبلیغ سے اس قدر خفا ہوا کہ انھیں ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ مولانا دبیلے پتلے کمزور آدمی میواتی کے گھونسے کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور کچھ دیر غشی کی حالت میں پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو اٹھ کر میواتی کا دامن پکڑ لیا اور کہا تم اپنا کام کر چکے۔ ”اب میری بات سنو“۔

یہ سن کر میواتی کا عجیب حال ہوا وہ خوف سے کانپنے لگا۔ اس نے کہا۔۔۔۔۔ مولوی صاحب! مجھے معاف کر دو ورنہ میری بخشش نہیں ہوگی۔

غرض مکاتب کے ناکام تجربہ کا مولانا الیاس صاحب پر سخت اثر ہوا وہ درد و کرب سے تڑپتے اور کہتے: ”ہائے اللہ میں کیا کروں“۔ یہاں تک کہ ان پر کھلا کہ موجودہ ماحول میں تعلیم و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ استاد لفظ پڑھا دے تربیت دے ماحول“۔ میواتی نے اپنے سادہ الفاظ میں کہا۔ آج کل کا ماحول بالکل بگڑ چکا ہے اور جب آدمی ماحول کے اندر ہوتا ہے تو وہ ہر وقت اس کو اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔ ایک طرف کان میں تبلیغ کی آواز جاتی ہے اور عین اسی کے ساتھ ماحول کی آواز بھی داخل ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے تعلیم و تبلیغ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔



پھر ماحول کہاں سے آئے۔ ظاہر ہے موجودہ ماحول پر تو ہمیں قدرت نہیں کہہ سکتے۔  
دبا کر اس کو بدل دیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ مسجدوں کے اندر چھوٹے چھوٹے ماحول بنائے  
جائیں جن میں ایک مدت تک کے لئے وہی باتیں چلائی جائیں جو ہم پوری سوسائٹی میں  
چاہتے ہیں یعنی ذکر، نماز، دعاء، تلاوت خدمت اور توجہ الی اللہ کا ماحول، چھوٹے سے دائرہ  
میں ایسی فضاء بنائی جائے کہ وہاں اس کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو اس کے بعد لوگوں کو ان کے  
ماحول سے کاٹ کر اس طرح کے ماحول میں لایا جائے اور وہاں ایک مقرر مدت تک رکھ کر  
ان کو ایمان و اسلام کی باتیں بتائی جائیں۔

تبلیغی طریق کار کا خاص فلسفہ یہ ہے کہ لوگوں کو اگر ان کی کھیتوں میں، ان کی  
ملازمتوں میں، ان کی تجارتوں میں اور ان کی دنیاوی مشغولیتوں میں سمجھانے کی کوشش  
کرو گے تو وہ سمجھ نہیں سکتے، اس لئے انہیں ان کے مشاغل سے نکال کر مسجد میں لاؤ اور  
مسجد کے اندر ایک اسلامی فضاء بنا کر، ان کے اوپر اسلام کی تبلیغ کرو اس وقت ان کا ذہن  
بالکل خالی ہوگا، اس لئے وہ بات کو فوراً سمجھ جائیں گے بستی نظام الدین میں بنگلہ والی  
مسجد اسی طریق کار کا مستقل عملی مرکز ہے، جہاں ہر وقت اسلامی اور تبلیغی ماحول رہتا ہے  
، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہاں ہر آن بس ایک ہی چیز کا چرچا ہے اور وہ یہ کہ خدا سے  
تعلق جوڑو، کیونکہ خدا ہی سے سب کچھ ہوتا ہے، کسی اور چیز سے کچھ نہیں ہوتا، یہی وہاں  
کا قول ہے اور یہی وہاں کا عمل ہے۔

تبلیغی کارکنوں کا ہر جگہ یہی کام ہے کہ وہ سفر و حضر میں اسی طرح کے ماحول وقتی  
طور پر بنائیں، جماعتی وفود جو کثیر تعداد میں روزانہ نکلتے رہتے ہیں وہ جب کسی مقام پر پہنچتے  
ہیں تو ان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ مقامی طور پر گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت



دیں۔ پھر مسجد میں جمع کر کے انہیں نماز پڑھوائی جائے، تلاوت کرائی جائے، سیرت پاک اور صحابہ کرامؓ کے واقعات سنائے جائیں، دعائیں یاد کرائی جائیں، اعمال صالحہ کے فضائل بیان کئے جائیں اور ان کی دینی ذمہ داریاں یاد دلائی جائیں، انہیں دعا اور عبادت میں مشغول کیا جائے، اس فضاء میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب ان کے دل نرم ہو جائیں تو انہیں چلہ پورا کرانے کی دعوت دی جائے۔ ”چلہ“ کے لفظ سے بعض لوگوں کو تو تش ہوگا، حالانکہ چلہ دراصل مسجد کی اس چند گھنٹہ کی گویا توسیع (EXTENSION) ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس دن تک اپنے دنیوی مشاغل کو چھوڑ کر مسجدوں میں زندگی گزارنا گشت کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچنا اور ان کو اسلامی زندگی کی طرف بلانا اسلامی فضاء میں ایک عرصہ تک رہ کر دین کو اس حد تک سیکھ لینا اور پکڑ لینا کہ آدمی پختہ ہو جائے اور جب دوبارہ اپنے ماحول میں واپس آئے تو اس کا ارادہ اور شعور اس حد تک بیدار ہو چکا ہو کہ آئندہ اسلامی طرز پر زندگی گزار سکے گویا چلہ ایک قسم کا متحرک تربیتی کیمپ ہے، یہ ایک سراپا عمل ہے نہ کہ دھیان گیان (جوگی پن) قسم کی کوئی چیز۔

یہ طریق کار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مولانا الیاس صاحبؒ پر کھولا تھا۔ اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے ہیں، بلا مبالغہ لاکھوں لوگ جو نہایت غلط قسم کی زندگی میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے اس سے متاثر ہو کر اپنی زندگیاں بدل ڈالیں۔ ہزاروں ایسے لوگ جو اجتماع اور چلہ اور گشت کا مذاق اڑاتے تھے جب ان کو ان کے ماحول سے نکال کر دینی فضاء میں رکھا گیا وہاں ان کے اوپر تبلیغ کی گئی تو وہ اس کے فریفتہ ہو گئے، ڈاڑھی کے بغیر نکلے اور ڈاڑھی والے ہو کر لوٹے، سوٹ ٹائی میں نکلے اور واپس آئے تو ان کا لباس کرتہ پانچامہ ہو چکا تھا، بے نمازی، زکوٰۃ نہ دینے والے لڑائی جھگڑے کرنے والے اور بد



کاریوں میں لت پت نکلے اور واپسی اس حالت میں ہوئی کہ یہ پہچاننا مشکل ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے (یا اور کوئی)۔ حتیٰ کہ ایسی بھی مثالیں ہیں کہ شراب کی بوتلیں ساتھ لیکر نکالا گیا کیونکہ انہیں اصرار تھا کہ ہم شراب چھوڑ نہیں سکتے، مگر شراب کے ماحول کے بجائے دینی ماحول میں روز و شب گزارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود اپنے ہاتھ سے انہوں نے شراب کی بوتلیں توڑ ڈالیں اور تائب ہو کر مسلمان کی سی زندگی گزارنے لگے ایک کارکن نے بتایا کہ افریقہ میں جب پہلی جماعت گئی تو تبلیغ کے لوگ کرتہ پا عجامہ میں تھے وہاں کے جن لوگوں کو انہوں نے کہہ سکر اپنے ساتھ گشت کیلئے تیار کیا تھا وہ کوٹ پتلون میں تھے، بعد کو یہ متاثر ہوئے اور جماعت کے ساتھ نکل کر ہندوستان آئے، مگر اس وقت ان کا حلیہ اور وضع قطع اتنی بدل چکی تھی کہ پاسپورٹ پر پہلی کی تصویر سے جب سرحد کے افسروں نے ان کا حلیہ ملایا تو وہ کہنے لگے یہ پاسپورٹ تمہارا ہے یا کسی اور کا؟ یہ تو کوٹ اور ٹائی کی تصویر ہے اور تم لوگ دوسرا لباس پہنے ہوئے ہو۔

﴿۴﴾ تبلیغ کے اس احکام کی ایک حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ اس کی عمر تیس برس سے زیادہ ہو گئی اور اس دوران میں اس کے رہنماؤں میں تین بار تبدیلی ہوئی مگر اس کے باوجود اس کا کام برابر بڑھ رہا ہے یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو جدید تاریخ میں کسی بھی دینی یا غیر دینی جماعت کو حاصل نہیں۔

تقریباً ہر جماعت کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتداء میں تو اس نے انسانوں کو متاثر کرنے کا کام اور بہت سے اچھے اچھے ذہنوں کو کھینچنے میں کامیاب ہوئی مگر کچھ ہی دن گزرنے کے بعد اس کا یہ کام رک گیا جو لوگ شروع میں آگئے تھے بس انہیں پر جماعت محدود ہو کر رہ گئی کسی بھی تحریک کی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ بعد کے مرحلے میں اس کے اندر دینی



اضافہ کا وہ کام جاری رہا جو ابتدائی مرحلہ میں انجام پایا تھا۔ اگرچہ تحریکیں دوسرے مرحلے میں پہونچنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں اور ایک لحاظ سے ان میں اضافہ بھی نظر آتا ہے۔ مگر یہ اضافہ اس نوعیت کا نہیں ہوتا جس نوعیت کا پہلے دور میں ہوا تھا، بعد کے مرحلہ میں ہر تحریک اس طرح نظر آئے گی کہ اس کے افراد بے روح ہو چکے ہیں، کاروباری نوعیت کی چیزوں میں تو بہت اضافہ ہو رہا ہے مگر مقصدی نوعیت کی چیزوں میں کوئی اضافہ نہیں، دور سے موافقت یا ہمدردی ظاہر کرنے والے بڑھ رہے ہیں وہ بھی اس اعلیٰ مقصد کی خاطر نہیں جو شروع میں اختیار کیا گیا تھا، بلکہ ان کمتر درجہ کے نعروں کی بنیاد پر جن کو تحریک نے اپنے گرتے ہوئے ڈھانچے کو سنبھالنے کے بعد میں اختیار کیا تھا۔

ان مثالوں کے اندر تبلیغی تحریک کی یہ ایک منفرد خصوصیت ہے کہ آج بھی اس کے اندر انسانوں کے لئے اپیل ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ ہے، یہ لوگ نہایت دلچسپی کے ساتھ اس کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں، نئے نئے افراد کثرت سے اس کی دعوت سے متاثر ہو رہے ہیں۔ زندگیوں میں تغیر کا کام پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ جاری ہے، نئے نئے طبقات میں دعوت پھیل رہی ہے اور پھیلنا اس مفہوم میں نہیں ہے کہ کسی سستے اور جذباتی (اشو) (Issue) پر اتفاق کرنے والے بڑھ رہے ہیں، بلکہ عین اسی ٹھوس اور گہرے اسلامی مفہوم میں ہے جس مفہوم میں اس داعی اول نے اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا تھا۔

اس کی وجہ جو میں سمجھ سکا ہوں وہ غالباً یہ ہے کہ عام طور پر جماعتیں یا پارٹیاں اپنے ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں کسی خاص حالات یا زمانے کے اندر وقت کے طبائع کے مطابق ایک تحریک اٹھتی ہے، اس طرح کی تحریکیں اگرچہ عام طور پر دائمی نوعیت کی



اصطلاحیں استعمال کرتی ہیں اور اپنے فکر کا سر ابدی حقائق سے ملائی ہیں، مگر حقیقت یہ ایک زمانی چیز ہوتی ہے اور اس کے اندر ابدی پیغام کی آمیزش ہو جب بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ ابدی پیغام کا صرف وقتی اڈیشن ہوتا ہے۔

اس کے برعکس تبلیغ کا یہ کام فطرت کے دائمی تقاضوں کی تکمیل ہے۔ فطرت کے وہ تقاضے جو اس کے خالق نے اوّل روز سے اس کے اندر رکھ دئے ہیں اور جو حالات اور زمانے سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں۔ بس یہی تقاضے اس تحریک تبلیغ کا موضوع ہیں۔ دین کی ابدی صداقتوں کے سوا اس تحریک کو اور کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اگر اس تشریح کو صحیح مان لیا جائے تو اس میں ہمیں اس کا جواب مل جاتا ہے کہ تبلیغ اور دوسری جماعتوں میں یہ فرق کیوں پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی بنیاد وقتی حالات پر ہے اور تبلیغ کی بنیاد دائمی قدروں پر، دوسری تحریکوں میں جو چیز اپیل پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے، وہ زیادہ تر باہر کا ماحول ہے اس کے برعکس ”تبلیغ“ میں جو چیز اپیل پیدا کرنے والی ہوتی ہے وہ خود انسان کی وہ فطرت ہے، جو کبھی بدلتی نہیں، خارجی حالات تغیر پذیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک یہ حالات رہتے ہیں اور انسانی ذہن ان کے مطابق سوچتا ہے، اس وقت تک ان کی بنیاد پر پیدا ہونے والی تحریکوں میں لوگوں کے لئے اپیل رہتی ہے اور وہ اس کی طرف کھینچتے ہیں، مگر جب حالات بدل جاتے ہیں تو یہ اپیل بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اپنے وقت کے حالات کی طرح یہ تحریک بھی محض ایک تاریخی چیز ہو کر رہ جاتی ہے، اس کے برعکس تبلیغ کا یہ کام چونکہ انسان کی دائمی فطرت کے اوپر قائم ہے اس لئے اس کی اپیل کبھی ختم نہیں ہوتی جب تک یہ کام اخلاص کے ساتھ جاری رہے گا اس کے اندر اپیل بھی باقی رہے گی خواہ زمانہ کتنا ہی کیوں نہ بدل جائے۔



زمانی تحریکیں زمانہ ختم ہونے کے بعد لازماً معدوم نہیں ہو جاتیں وہ اکثر اس کے بعد بھی باقی رہتی ہیں، مگر بعد کے زمانے میں ان کی حیثیت تحریک سے زیادہ فرقہ کی ہو جاتی ہے وہ ایک لگا بندھا گروہ ہوتا ہے جو محض گروہی تعصب کے سہارے اپنا وجود باقی رکھتا ہے، جب تحریک کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر شعور ہو اسی کے ساتھ وہ ارتقاء پذیر تحریک بھی ہو۔ تحریک سے جب اس کا ابتدائی شعور رخصت ہو جائے اور جب نئے افراد کا اضافہ نہ ہو رہا ہو تو اس کے لئے تحریک کے بجائے فرقہ کا نام زیادہ صحیح ہوگا۔ اس کے برعکس وہ تحریک جو دائمی قدروں کی بنیاد پر اٹھی ہو اس میں ہمیشہ شعور اور ارتقاء کی صلاحیت باقی رہتی ہے، زمانہ اس کو ختم نہیں کرتا اور اگر کارکنوں کی غفلت سے کبھی وہ سست پڑ جائے تو دوبارہ اسے زندہ کیا جاسکتا ہے۔

﴿۵﴾ نظام الدین میں ایک شخص نے لپک کر مجھے اس طرح سلام کیا جیسے وہ میرا پرانا شناسا ہو میں نے دیکھا تو خوبصورت ڈاڑھی کے ساتھ ایک نوجوان چہرہ مسکرا رہا تھا تعارف کے بعد میں نے پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے جن سے تعلیم کے زمانے میں ان کے سرپرستوں کو شکایت تھی، ان کے بڑے بھائی نے یہ کیا کہ علیگڑھ کی تعلیم ختم کرنے کے بعد انہیں اگلی زندگی کے آغاز سے پہلے تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک چلے میں بھیج دیا۔ چالیس دن جماعتوں میں رہنے کے اس پروگرام میں اب صرف چند دن باقی تھے اور اس مدت میں وہ اچھے خاصے ”مسلمان“ بن چکے تھے۔

نظام الدین کے اس سفر سے واپسی کے فوراً بعد مجھے چند ہفتے علیگڑھ میں قیام کرنا پڑا وہاں میں نے دیکھا کہ اسی طرح کے نوجوان سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور یہ صرف پچھلے چند سالوں کے اندر ہوا ہے، علیگڑھ کے ایک تبلیغی کارکن جو ایک شعبہ میں لیکچرر ہیں



انہوں نے مجھ سے بڑے جوش کے ساتھ کہا، ہم جب کسی شخص کو نظام الدین (بنگلہ والی مسجد) لے جاتے ہیں تو اس اعتماد کے ساتھ لیجاتے ہیں کہ وہاں سے وہ خالی نہیں لوٹ سکتا۔ اور میں نے دیکھا کہ واقعات اس کے ان الفاظ کی تائید کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے طلباء جو ہمیشہ سے اپنی نیچریت اور مغرب زدگی کیلئے مشہور تھے اور جن کی تعلیم بھی ایسی ہے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں وہ جب نظام الدین جاتے ہیں اور چلوں میں نکلتے ہیں تو ایسا بدل جاتے ہیں کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ یونیورسٹی کے طالب علم ہیں یا کسی عربی درس گاہ کے۔ بلکہ ان میں سے کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے اخلاق جن کی دینداری اور جن کی خدا ترسی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ عربی مدارس کے طلبہ بھی ان پر رشک کریں، سینکڑوں طلبہ ہیں جن کے اندر خدا ترسی، نماز باجماعت، نوافل، خدمت خلق، انفاق (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)، دعا ذمہ داری اور اسلامی وضع قطع کی صفات پیدا ہو گئی ہیں، حتیٰ کہ وہاں ایسے مناظر نظر آتے ہیں جو عربی مدارس میں مشکل سے دکھائی دیں گے، مثلاً امتحان کے زمانہ میں اگر آپ وہاں ہوں تو آپ وہاں دیکھیں گے کہ طلبہ جوق در جوق مسجد میں آتے ہیں، وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دعا کر کے امتحان ہال میں پرچہ حل کرنے کیلئے جاتے ہیں۔

علی گڑھ میں آج عام طور پر ایک دینی فضاء معلوم ہوتی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھی، صرف چند سال پہلے کی بات ہے مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) وہاں تقریر کرنے کے لئے تشریف لائے، مگر اس وقت تک طلبہ میں دین کے استخفاف (حقارت) کا ایسا ذہن تھا کہ فقرے بازی اور شور و غل کی وجہ سے مولانا اپنی تقریر مکمل نہ کر سکے اور قبل از وقت اٹھ کر چلے گئے، اب پچھلے سال دوبارہ یونیورسٹی میں آئے اور ڈھائی تین ہزار کے مجمع میں ان کی تقریر ہوئی، مگر سارا مجمع آخر تک بالکل ساکت و صامت بنا رہا۔ یونیورسٹی کی فضاء میں یہ تبدیلی خاص طور پر تبلیغی جماعتوں کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں



دینیات کا مضمون تمام طالب علم کیلئے لازمی ہے، ہر ہاسٹل میں باقاعدہ مسجد اور امام اور مؤذن کا انتظام ہے، دینی امور کی نگرانی کیلئے ایک مستقل ناظم کا عہدہ ہے اور اس کے علاوہ وہ سب کچھ جس کو یونیورسٹی کا ”اسلامی کردار“ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی ساری تاریخ میں کبھی بھی دین کا وہ وقار و احترام پیدا نہیں ہوا جو آجکل وہاں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ہے اس تحریک کا نتیجہ جو محدود اور دقیانوسی تحریک سمجھی جاتی ہے اور اس مقام پر جو ہندوستان میں مغربیت کا سب سے بڑا گڑھ ہے۔

یہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ یہ تو اس عظیم مسئلہ کا ایک نہایت آسان حل ہے جو ہماری ملت کو عرصہ سے درپیش ہے، مگر ہمارے رہنما جس کا حل نکالنے میں ناکام رہے ہیں یعنی جدید سیکولر تعلیم کے بعد نوجوانوں کو اس کے برے اثرات سے بچانا، موجودہ زمانے میں مغربی طرز کی سیکولر تعلیم زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت بن گئی ہے، اس تعلیم کا تعلق نہ صرف معاش سے بہت گہرا ہو چکا ہے بلکہ قرآن کے الفاظ میں وہ وقت کی قوت ہے اور دنیا میں باوقار اور مستحکم قومی زندگی کی تعمیر کیلئے اس کا حصول ناگزیر ہے مگر اس تعلیم کے ساتھ کچھ ایسی روایات شامل ہو گئی ہیں اور اس کا ایسا ماحول بن گیا ہے کہ اس تعلیم کے بعد دہریت ورنہ کم از کم بے عملی کا شکار ہو جانا عام ہو گیا ہے پھر جب اس تعلیم کے لازمی نتیجہ کے طور پر خوش حالی اور مادی فراوانی حاصل ہوتی ہے اور اس وقت تو یہ سیکولر تعلیم روایتی دیوار قبہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ جو اس پر چڑھتا ہے وہ دین سے بے تعلق ہو کر بے ساختہ دوسری طرف کود پڑتا ہے، مگر علیگڑھ اور نظام الدین میں کالجوں کے طلبہ کا جو منظر میں نے دیکھا وہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ ہم ایک اور دیوار قبہ تعمیر کر سکتے ہیں جب کہ ہمارے نوجوان سیکولر تعلیم کی دیوار پر چڑھیں اور اسلام کی سرزمین میں کودیں۔

خدا کے فضل سے نظام الدین اور تبلیغی تحریک کی شکل یہ دوسری قسم کی دیوار قبہ



تعمیر ہو چکی ہے۔ اب ہر شخص جو اپنے بچوں کو جدید تعلیم دلانا چاہتا ہے اسی کے ساتھ اسے یہ بھی طے کر لینا چاہیے کہ وہ اپنے بچہ کو دوران تعلیم میں چھٹیوں کے زمانے میں کبھی کبھی نظام الدین بھیجتا رہے گا، اور ختم تعلیم پر عملی زندگی شروع کرنے سے پہلے اس کو ایک چلہ ضرور کرائے گا۔

تعلیم کے ساتھ یہ اضافہ انشاء اللہ اس کی دینی زندگی کی ضمانت ہوگی، بغیر اس کے کہ اس تعلیم کو کسی قسم کا نقصان پہنچے، میں نے علیگزہ میں دیکھا کہ تبلیغی نو جوان نہایت دلجمعی کے ساتھ اپنی تعلیمی زندگی میں مشغول رہتے ہیں اور بہتر نمبروں سے پاس ہوتے ہیں، اصل میں دین کا جزو جب زندگی میں داخل ہو جاتا ہے تو آدمی کے اندر ایک طرح کی ذہنی تنظیم پیدا ہو جاتی ہے، وہ سنجیدہ اور باشعور ہو جاتا ہے، اس کے اوقات بہت سے فضول کاموں سے بچ جاتے ہیں وہ ایک بامقصد نقطہ نظر کا حامل ہو جاتا ہے ان چیزوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ احساس ذمہ داری اور زیادہ باقاعدگی سے گزارنے لگتا ہے، اس اضافے کے ساتھ کہ ہر معاملے میں اسے اللہ کی یاد بھی آتی رہتی ہے اور وہ خدا کی اطاعت کا پابند ہو کر اپنے سارے کام انجام دیتا ہے جو زندگی میں برکت کا نور پیدا کرتا ہے۔

تبلیغی کام کو اللہ تعالیٰ نے یہ برکت دی ہے کہ عرب ممالک سے لیکر یورپ اور امریکہ تک اس کا کام ہو رہا ہے کثرت سے تبلیغی وفد باہر جاتے ہیں اور باہر سے ہندوستان آتے ہیں اور یہاں جماعتوں میں رہ کر پھر واپس جاتے ہیں، اکثر بیرونی مقامات پر باقاعدہ تبلیغ کا مرکز ہے اور اس کا نظم قائم ہے اور تبلیغ کے مستقل حلقے وجود میں آگئے ہیں، یہ صورت حال ہم کو مزید موقع فراہم کرتی ہے، وہ یہ کہ طلبہ کو باہر بھیجنا ہو تو ان کو کسی تبلیغی وفد کے ساتھ بھیجا جائے اور اگر بروقت یہ ممکن نہ ہو تو یہ کوشش کی جائے کہ طالب علم جس ملک میں جائے



وہاں حتی الامکان وہ وہاں کے تبلیغی حلقہ سے قریب رہے اس طرح کی سینکڑوں مثالیں وجود میں آچکی ہیں اور اس طریقہ کو اختیار کر کے نوجوانوں کے بیرونی تعلیمی سفر کو بڑی حد تک خطرات سے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

آج مسلم قوم سیکولر تعلیم کے میدان میں پوری طرح کود پڑی ہے، ہمارے تمام بہترین نوجوان سیکولر اداروں میں تعلیم پا رہے ہیں اگر اس کے ساتھ مندرجہ بالا پروگرام کو بھی شامل کر لیا جائے تو تعلیم یا آئندہ معاشی مستقبل میں کسی قسم کا نقصان کئے بغیر ایک عظیم فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ہمارے ذہنوں کا نہ صرف ضائع ہونے سے بچنا بلکہ اپنی زندگی کی تعمیر کے ساتھ ملک کے اندر اور ملک کے باہر تبلیغ کا زبردست ذریعہ بن جانا۔ اگر اس پر عمل درآمد ہو تو انشاء اللہ وہی واقعہ دوبارہ ظہور میں آسکتا ہے جو عرب کے مسلمان تاجروں کے دنیا بھر میں پھیلنے سے ہوا تھا۔

﴿۶﴾ تبلیغ کے اس کام میں زیادہ تر شخصی طور پر بات پہنچانے پر بھروسہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی گفتگو، تقریر، ملاقاتوں اور سفروں کے ذریعہ براہ راست طور سے اپنے خیالات دوسروں کو منتقل کرنا۔ اس طریقہ میں پریس کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ فضائل اعمال اور واقعات صحابہؓ کی کچھ کتابیں لکھ کر چھپوالی گئی ہیں، جو تعلیم کے حلقوں میں پڑھ کر سنانے کے استعمال ہوتی ہیں اور جن سے کارکنوں کو اپنی تبلیغ کے لئے مواد ملتا ہے جب کہ حقیقتہً پریس کے جدید تصور کے مطابق یہ نفی کے برابر ہے، تبلیغ کی طرف سے کبھی کوئی رپورٹ شائع نہیں کی جاتی، حالانکہ رپورٹ کے لئے ان کے یہاں اتنا زیادہ اور کبھی ختم نہ ہونے والا مواد ہے کہ شاید ہی کسی جماعت کے پاس اتنا مواد ہو، ریف ورک اور ملی خدمات کے سلسلے میں بھی ان کے یہاں کہنے کی باتوں کی کمی نہیں۔ مگر کبھی اس قسم کی کوئی چیز اخباروں میں دیکھی نہیں



گئی۔ ہر سال اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں کہ بلا مبالغہ ہندوستان یا پاکستان میں کسی بھی دینی جماعت کا اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوتا، مگر ان کے لئے ایک بھی اشتہار یا بینڈ بل کبھی شائع نہیں کیا گیا اور نہ لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا گیا۔ مستقل طور پر ہزاروں انسان تبلیغ کے کام میں روز و شب متحرک رہتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کو جمع کرنے، انہیں متحرک کرنے اور ہدایات دینے کے لئے کوئی رسالہ یا اخبار اس کی طرف سے جاری نہیں کیا گیا۔ اس بارے میں تبلیغ کے لوگ اس قدر شدید ہیں کہ بعض بزرگوں نے اپنے طور پر تبلیغ کے کارکنوں کو لٹرچر فراہم کرنے کے لئے لکھیں مگر وہ تبلیغ کے حلقہ میں پھیل نہ سکیں۔ حتیٰ کہ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ ایک اجتماع کے موقع پر ایک بار مقامی اخبار نے اپنے طور پر اجتماع کی خبر شائع کر دی تو ایڈیٹر سے مل کر اس کی شکایت کی گئی۔

یہ شدت بہت سے لوگوں کو پسند نہیں آئے گی، مگر اس شدت نے تبلیغ کے اس کام میں ایک خاص قدر پیدا کر دی ہے جو اس وقت کسی بھی تحریک میں موجود نہیں، اور وہ ہے تاثیر کی قوت۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ آدمی جب بذاتِ خود اپنے عقیدہ کی تبلیغ کر رہا ہو تو اس کی شخصیت کا پورا زور اور اس کی تبلیغ کے اندر آ جاتا ہے، اس کے الفاظ میں اس کے کردار کی شیرینی، اس کے لہجہ میں اس کے قلب کا سوز و گداز اس انداز میں اس کے یقین کی جھلک اور اس کے خیالات میں ایک جیستی جاگتی زندگی کا مجسم وزن شامل ہو جاتا ہے۔ نیز اگر یہ گفتگو ماحول کے اندر ہو رہی ہے، تو ماحول اس وزن کے اضافہ میں مزید شریک ہو جاتا ہے۔ ریڈیو سے کنٹری سننے اور کرکٹ میچ کے سامنے موجود ہونے میں جو فرق ہے، وہی فرق مزید شدت کے ساتھ زبانی تبلیغ اور کتابی تبلیغ میں پایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ زبانی تبلیغ میں اور بہت سے فائدے ہیں، مثلاً اگر دورانِ تبلیغ



میں ضرورت محسوس ہو تو طریق تبلیغ میں بروقت تبدیلی کیجا سکتی ہے، جب کہ کتاب یا رسالہ یہ کام نہیں انجام دے سکتا، نظام الدین کی ایک تقریر میں یہ واقعہ بتایا گیا ہے کہ ایک جگہ مداری بندر نچا رہا تھا، تبلیغ کے لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کو نماز پڑھانی چاہئے۔ مدرسہ کے کچھ معلمین اس پر تبلیغ کے لئے بھیجے گئے مگر وہ ناکام واپس آئے اور انھوں نے کہا کہ ہم نے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مانتا تو ہم کیا کریں، ماعلینا الا البلاغ۔ اس کے بعد تین ایسے آدمی اس کے پاس بھیجے گئے جو ذہنی اور معاشرتی اعتبار سے مداری ہی کی سطح کے تھے، انھوں نے کہا، میاں بندر نچا نچا کر زندگی خراب کر رہے ہو، آخرت میں تم کو خدا کے فرشتے اسی طرح نچائیں گے۔ یہ جملہ مداری کو لگ گیا، تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ ان لوگوں کے ساتھ ہولیا اور مسجد میں پہنچ کر بندر بندر یا کو باہر باندھا اور خود اندر جا کر نماز پڑھی۔

اس طرح زبانی تبلیغ کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ اگر مخاطب بات نہ سمجھ رہا ہو تو بروقت اس کی ایسی عملی وضاحت کر دے کہ اس کے لئے سمجھنا آسان ہو جائے۔ ایک صاحب جو تبلیغ کے سلسلے میں عرب گئے تھے انھوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ عرب علماء کو جب انھوں نے تبلیغی کام میں شرکت کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ یہ قرآن اترنے کی زمین اور رسول کے بعثت کی جگہ ہے، یہاں تو سارے لوگ دین سے واقف ہیں، یہاں تبلیغ کی کیا ضرورت، اس کے بعد ان سے کہا گیا اچھا ہمارے ساتھ چلئے اور چل کر دیکھئے کہ آپ کے عوام کی کیا حالت ہے، انھوں نے کہا کہ وہیں کے ایک شخص کو ہم نے پکڑا اور اس سے کہا کہ قل اعوذ برب الفلق پڑھ کر سناؤ، تو عرب کے اس مسلمان شہری نے کہا ”اعوذ برب الفلق“ قل کے بغیر، یہ کہتے تھے قل اعوذ برب الفلق تو اس کو سن کر



عربی کہتا تھا اعوذ برب الفلق، اصل میں وہ نہ تو یہ جانتا تھا یہ قرآن کی کوئی سورۃ ہے اور نہ اسے سورۃ یاد ہی تھی اسلئے ”قل“ کو پڑھ کے معنی میں لیکر اس کے آگے کے الفاظ اعوذ برب الفلق اپنی زبان سے ادا کر دیتا تھا۔ اسی طرح کئی بار ہوا، یہاں تک کہ تبلیغی کارکن نے کہا قل اعوذ برب الفلق تب جا کر اس نے سورۃ فلق کو اپنی زبان سے دہرایا، اسی طرح طائف کے کچھ لوگوں سے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو صرف سورۃ فاتحہ میں ایک درجن غلطیاں تھیں، یہ دیکھ کر عرب کے علماء رو پڑے اور انھوں نے کہا ہم نہیں جانتے تھے ہمارے عوام علم دین سے اتنے کورے ہیں۔

پھر زبانی طور پر اور گھوم پھر کر بات پہونچانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مخاطب سے ارتباط اور اختلاط داعی کے ذہن میں نئے نئے مضامین لانے کا سبب بنتا ہے۔ بات کو مؤثر بنانے کے لئے نئی نئی مثالیں ملتی ہیں اور گفتگو زیادہ سے زیادہ سادہ اور حقیقی ہو کر مخاطب کے ذہن قریب ہوتی چلی جاتی ہے جب کہ تصنیف میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے اور بہت سے فائدے ہیں جو اس طریق تبلیغ سے حاصل ہوتے ہیں۔

﴿۷﴾ تبلیغ کے اس کام کو ایک اور موقعہ (Advianrage) یہ حاصل ہے کہ اس کی تبلیغ کا تمام تر انحصار وجدانیات پر ہے نہ کہ عقلیات پر، دعوت کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک ہے ذہن کی راہ سے مخاطب کے اندر گھسنا، دوسرے وجدان و احساس کی راہ سے گھسنا۔ پہلی صورت میں عقلی اور منطقی طور پر بات کو ثابت کر کے مخاطب کے لئے قابل قبول بنایا جاتا ہے دوسری صورت میں جذبات کو ابھار کر مخاطب کو اس کی طرف لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص صحبت کا فلسفہ ثابت کرنے کے لئے کہتا ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، اسی طرح شخصیتوں سے شخصیتیں روشن ہوتی ہیں، اس کے جواب میں



دوسرا شخص نہایت آسانی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک مثال ہے نہ کہ دلیل۔ اور محض مثال سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اس نظریہ پر یوں استدلال کرے کہ انڈا مرغی کے پروں کی صحبت میں ۲۱ روز رہتا ہے تو اس میں سے بچہ نکل آتا ہے، پھر ایک بزرگ کی صحبت سے کیا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا، تو اس کے جواب میں بھی کوئی سر پھرا نہایت آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ انڈے سے بچہ نکلنے کا تعلق حرارت سے ہے نہ کہ صحبت سے اور حرارت بھی صرف اس انڈے سے بچہ نکال سکتی ہے جس کے اندر پہلے سے بچہ کا جرثومہ موجود ہو، ورنہ برآمد نہیں کیا جاسکتا۔

جذباتی تبلیغ کرنے والوں کے تمام دلائل اسی قسم کے ہیں، اس اضافہ سے میرا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ تبلیغ کرنے والوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ عملی طور پر ان لوگوں سے زیادہ مفید اور مؤثر ہے جو عقل و منطق کی راہ سے دین کا اثبات کرنے میں لگے ہوئے ہیں، خالص عقل کی راہ سے ثابت کرنے کی کوشش دراصل ایک ایسے عنقاء کو پکڑنے کی کوشش ہے جو ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ مگر ایک دوسری چیز اور ہے جو آج بھی موجود ہے وہ ہے فطرت اور روایت، اور میں مبالغہ نہیں کروں گا اگر میں کہوں کہ آج بھی ۹۹ فیصدی لوگوں کی شخصیت حقیقتاً فطرت اور روایت ہی کے تحت بنی ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دین فطرت پر پیدا کیا ہے، اور یہ فطرت لازمی طور پر ہر ایک کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ مگر جو لوگ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں ان کے ساتھ فطرت کے علاوہ ایک اور موافق عنصر بھی شامل ہے۔ اور وہ روایت، تاریخی اور نسلی اثرات، خاندان اور ماحول کی تربیت اور بہت سے لوگوں کے لئے ان کی تعلیم کم از کم ابتدائی تعلیم، آج بھی لاشعور کی سطح پر انھیں مسلمان بنائے ہوئے ہے۔ وہ بظاہر خواہ بے دین نظر آتے ہیں، مگر فطرت اور روایت نے مل کر ان کا جو اندرونی سانچہ بنایا ہے وہ تقریباً



ہر ایک کا اسلامی ہے یہی وجہ ہے کہ تبلیغ کے لوگ جب جذباتی باتیں کرتے ہیں تو سننے والوں کا ذہن جاگ اٹھتا ہے۔ جب وہ جنت اور جہنم کی تفصیلات بتاتے ہیں تو ان کے دل دھلنے لگتے ہیں۔ جب وہ دعاؤں کے ذریعہ اندرونی احساسات کو چھیڑتے ہیں تو بڑے بڑے ”بے دینوں“ کی آنکھ سے بھی آنسو نکل آتے ہیں۔ یہ باتیں خواہ عقلی و منطقی اعتبار سے بے بنیاد (Invalid) سہی مگر وہ کم از کم اب تک کے انسانوں کے اندر وجدانی اپیل رکھتی ہیں اور اس طرح کی آوازوں کے سایہ میں جب آدمی کچھ دن زندگی گزارتا ہے تو اس کا شعور زندہ ہو کر اس کی شخصیت پر چھا جاتا ہے اور اس کو دوبارہ ”مسلمان“ بنادیتا ہے۔ تبلیغ والوں کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ انھوں نے عقل عنقاء پکڑنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ موجودہ جذباتی بنیاد اگرچہ غیر منطقی بنیاد، استعمال کیا اور تجربہ بتاتا ہے کہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔ (منقولہ از ماہنامہ الفرقان ماہ رجب المرجب ۸۶ھ)

## بنگلہ والی مسجد کے متعلق

ایک نووارد یہاں (بنگلہ والی مسجد میں آکر) محسوس کرتا ہے کہ یہ مرکز تبلیغ دوسری جماعتوں اور پارٹیوں کے مراکز سے کس قدر مختلف ہے، تمام جماعتیں خواہ وہ دینی ہوں یا غیر دینی، بلا استثنا ان کے مراکز آج ایک ”دفتر“ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ جماعتوں اور پارٹیوں کے مرکز میں جا کر کوئی شخص ان کی تحریک کو نہیں پاتا۔ اس کے سامنے بس ایک دفتر ہوتا ہے جس کے مختلف شعبے ہیں کہیں صدر کی تختی لگی ہوئی ہے، کہیں سیکریٹری کی، کوئی مہمان خانہ کا کمرہ ہے، اور کوئی طعام خانہ کا، اور ان دفاتروں میں جو سرگرمیاں روزانہ ہوتی ہیں وہ کیا ہیں؟ اخباروں کا مطالعہ، پارٹی کے نقطہ نظر سے ملکی حالات پر تبصرے، رجسٹروں کی خانہ پوری، رپورٹوں کی تیاری، خط و کتابت، سرکلر کی روانگی، تنظیمی مسائل پر بحثیں، لیڈروں کے



استقبال کی تیریاں غرض وہی سب کچھ جو عام قسم کے دفاتروں میں ہوتا ہے وہی ان جماعتی دفاتر میں بھی روزانہ ہوتا ہے۔

یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں ہے، یہ ایک ایسا فرق ہے جو نظام الدین کی اس بنگلہ والی مسجد کو مدینہ کی قدیم مسجد نبوی سے مشابہ کر دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں مسجد نبوی اسلامی تحریک کا مرکز تھی مگر یہ مرکز اس قسم کی رسمی کاروائیوں کا دفتر نہیں تھا جیسے آکل کی جماعتوں کا ہوتا ہے، بلکہ یہ خود اسلام اور اسلامی زندگی کا مرکز تھا وہاں نماز کی اقامت، ذکر کی مجلسیں، خدا سے لپٹنا، اپنے دوسرے بھائیوں کی خدمت، قرآن کی تلاوت، سنت کا چرچا اسلام کے پھیلانے کی فکریں ہوا کرتی تھی۔

بنگلہ والی مسجد کا یہ ماحول جو چوتھائی صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے جاری ہے یہ سنت نبوی کے ایک ایسے پہلو کا احیاء ہے جس کی نظیر شاید سارے عالم اسلامی میں کہیں بھی نہیں مل سکتی، آج دنیا میں اسلامی دفاتر تو اتنے ملیں گے کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے مگر مسجد نبوی کے نمونہ کا اسلامی مرکز کہیں بھی نہیں مل سکتا، اور یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تنہا یہی واقعہ کسی کوشش کی طرف نصرت الہی کو متوجہ کرنے کیلئے کافی ہے، سید عطاء اللہ صاحب بخاری کے متعلق سنا کہ وہ ایک بار یہاں آئے اور یہاں کا منظر دیکھا اس کے بعد انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا ”میں یہ سمجھتا تھا کہ نظام الدین اولیاء ختم ہو گئے مگر میں نے بسستی نظام الدین میں آ کر دیکھا کہ نظام الدین اولیاء تو ابھی تک زندہ ہیں وہاں جا کر میں دوبارہ مسلمان ہوا جس کو مسلمان بننا ہے وہاں جائے۔“

## انسان پر ماحول کا اثر

آجکل کا ماحول بالکل بگڑ چکا ہے، اور جب آدمی ماحول کے اندر ہوتا ہے تو وہ ہر



وقت اس کو اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے، ایک طرف کان میں تبلیغ کی آواز جاتی ہے اور عین اسی کے ساتھ ماحول کی آواز بھی داخل ہوتی رہتی ہے اس لئے تعلیم و تبلیغ کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پھر ماحول کہاں سے آئے، ظاہر ہے موجودہ ماحول پر تو ہمیں قدرت نہیں کہ بٹن دبا کر اس کو بدل دیں، اس کا حل یہ ہے کہ مسجدوں کے اندر چھوٹے چھوٹے ماحول بنائے جائیں جن میں ایک مدت تک کیلئے وہی باتیں چلائی جائیں جو ہم پوری سوسائٹی میں چاہتے ہیں یعنی ذکر، نماز، دعا، تلاوت، خدمت اور توجہ الی اللہ کا ماحول، چھوٹے سے دائرہ میں ایسی فضا بنائی جائے کہ وہاں اس کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو اس کے بعد لوگوں کو ان ماحول سے کاٹ کر اس طرح کے ماحول میں لایا جائے اور وہاں ایک مقرر مدت تک رکھ کر ان کو ایمان اور اسلام کی باتیں بتائی جائیں۔

### تبلیغی جماعت مولانا مودودی صاحب کی نظر میں

گزشتہ ماہ رجب کے اواخر میں مجھ کو دہلی سے متصل ایک علاقہ میں جانے کا اتفاق ہوا جو میوات کے نام سے معروف ہے۔ ایک مدت سے سُن رہا تھا کہ وہاں مولانا الیاس کاندھلوی کی رہنمائی میں خاموشی کے ساتھ ایک تحریک چل رہی ہے۔ جس نے دس بارہ سال کے اندر اس علاقہ کی کایا پلٹ دی ہے۔ آخر کار شوق طلب نے مجھے مجبور کر دیا کہ خود جا کر حالات کی تحقیق کروں۔ اس سفر میں جو کچھ میں نے دیکھا اور جوتائج میں نے اخذ کئے ہیں چاہتا ہوں کہ انہیں ناظرین ترجمان القرآن تک بھی پہونچا دوں تاکہ اللہ کے جو بندے درحقیقت کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کام کرنے کے لئے ایک صحیح راہ مل سکے۔

میو قوم دہلی کے آس پاس الور، بھرت پور، گوڑگانوہ اور دوسرے متصل علاقوں میں آباد ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کی مجموعی تعداد ۳۶ لاکھ سے کم نہیں ہے۔ اب سے



صدیوں پہلے غالباً حضرت نظام الدین محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء و متبعین کی کوششوں سے اس قوم میں اسلام پہنچا تھا، مگر افسوس کہ بعد کے زمانوں میں مسلمان حکمرانوں اور جاگیرداروں کی غفلت سے وہاں اسلامی تعلیم اور اسلامی تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ حکومت کے مرکز سے اس قدر قریب آباد تھے ان میں قدیم جاہلیت کی تمام خصوصیات باقی رہیں اور رفتہ رفتہ وہ اسلام سے اس قدر بعید ہوتے چلے گئے کہ ان میں بجز اس خیال کے کہ ”ہم مسلمان ہیں“ اور کوئی چیز اسلام کی باقی نہ رہی۔ ان کے نام تک مسلمانوں کے سے نہ رہے تھے۔ ناہر سنگھ، بھوپ سنگھ اور اسی قسم کے ناموں سے وہ موسوم ہوتے تھے۔ ان کے سروں پر چوٹیاں تھیں۔ ان کے ہاں مورتیاں پوجی جاتی تھیں۔ اپنی حاجات کے لئے وہ انہی دیویوں کی طرف رجوع کرتے تھے جنکی پوجا قدیم زمانہ میں انکے اسلاف کیا کرتے تھے۔ اسلام سے وہ اس قدر ناواقف تھے کہ عام دیہاتی باشندوں کو کلمہ تک یاد نہ تھا۔ حتیٰ کہ نماز کی صورت تک سے وہ نا آشنا تھے۔ کبھی کوئی مسلمان اتفاق سے ان کے علاقہ میں پہنچ گیا اور اس نے نماز پڑھی تو گاؤں کے عورت مرد بچے سب اس کے گرد یہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے کہ یہ شخص کیا حرکتیں کر رہا ہے۔ اسکے پیٹ میں درد ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے کہ بار بار اٹھتا بیٹھتا اور جھکتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی ان کے اندر جاہلیت کی تمام وحشیانہ عادتیں پائی جاتی تھیں۔ گندی اور ناصاف زندگی طہارت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف، عورت اور مرد سب نیم برہنہ اور شرم و حیا سے عاری، چوری، ربڑنی، ڈکیتی اور دوسرے مجرمانہ افعال کا ارتکاب عام طور پر چھوڑا نہ گیا۔ کسی مسافر کا نتیجہ یہ کہ علاقہ سے گزر جانا مشکل۔ پھر ان کے قبائل اور بطون میں چھوٹی چھوٹی جاہلانہ باتوں پر اس قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جیسے عرب جاہلیت کے حالات میں آپ پڑھتے ہیں ان کی آبادی مختلف حالتوں میں بنی ہوئی تھی اور



بسا اوقات دو یا چند حلقوں میں کسی عورت یا کسی جانور یا کسی اور چیز پر ایسی عداوتیں بھریا ہو جاتی تھیں جن کا سلسلہ مدتوں چلتا رہتا تھا۔ یوں اس جفاکش، بہادر اور طاقتور قوم کی ساری پیدائشی قوتیں ضائع ہو رہی تھیں اور وہ نہ صرف اپنے لئے ترقی و فلاح کا کوئی راستہ نہ پاتی تھیں بلکہ اپنے ہمسایوں کے لئے بھی سبب اضطراب بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں کو اس علاقہ کے انتظام کا تجربہ ہے وہ اعتراف کرتے ہیں کہ انگریزی حکومت اور الور و بھرت پور کی ریاستیں وہاں امن قائم کرنے اور بہتر تمدنی حالات پیدا کرنے میں ناکام رہی تھیں۔

ان حالات میں جناب مولانا محمد الیاس صاحب نے وہاں کام شروع کیا اور دس بارہ سال کی مختصر مدت میں اس قوم کے بیشتر حصہ کی کایا پلٹ دی۔ اب اس علاقہ میں قریباً ڈھائی سو مدرسے قائم ہیں جہاں دیہات کے لڑکے آ کر اپنے دین سے ابتدائی واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انکے لئے دہلی سے قریب انہی حضرت نظام الدین محبوب الہی کی بستی میں مدرسہ قائم ہے جن کی بدولت ابتداء اس قوم کو اسلام کی نعمت میسر ہوئی تھی۔ اس مدرسہ میں نہ صرف علوم دینیہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے بلکہ طلبہ کو خالص دینی تربیت بھی دی جاتی ہے، اور تبلیغ اور اصلاح کی عملی مشق کرانے کے لئے ان سے آس پاس کے دیہات میں عملی کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کی برکت سے خود میو قوم میں علماء اور مبلغین کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی ہے جو انشاء اللہ اس قوم کو دین کے راستے پر قائم رکھنے کی ضامن ہوگی۔ مولانا نے محترم نے خود اس قوم کے مبلغوں سے اس کی اصلاح کا کام لیا اور انکی پیہم کوششوں کا نتیجہ جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں یہ ہے بعض مائتوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملے گا۔ دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ اپنے مویشی باندھتے تھے۔ آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اسکا



امتحان لیں۔ وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔ اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادہ ہالہ لباب، جو ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہئے، آپ کے سامنے بیان کرے گا، اور آپ کو بتائے گا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں۔ اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد و عورت یا بچہ کو ہندوانہ لباس میں نہ پائیں گے۔ نہ اسکے جسم کو بے ستر دیکھیں گے، نہ اسکے گھر کو، نہ اسکے لباس کو نجاستوں میں آلودہ پائیں گے۔ ان کے عادات و خصائل اور ان کے اخلاق میں بھی اس مذہبی تعلیم و تبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہو گیا ہے اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں جرائم میں حیرت انگیز کمی ہو گئی ہے۔ لڑائیاں فسادات اور مقدمات بہت کم ہو گئے ہیں ان کا علاقہ اب ایک پُر امن علاقہ ہے جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کر رہے ہیں انکی معاشرت، انکے لین دین اور ان کے برتاؤ و غرض ہر چیز میں عظیم تغیر ہو گیا ہے جسکی وجہ سے گرد و پیش کی آبادی پر ان کا نہایت اچھا اخلاقی اثر مرتب ہو رہا ہے۔ اب وہ ذلت اور بے اعتباری کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے، بلکہ ان کی عزت قائم ہوتی جا رہی ہے اور ان کے کرکٹر پر اعتماد کیا جانے لگا ہے۔

مولانا نے عام دیہاتیوں کے اندر تبلیغ و اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایسی اسپرٹ پیدا کر دی ہے کہ جو لوگ کل تک خود گمراہ تھے وہ اب دوسروں کو راہ راست بتاتے پھرتے ہیں کھیتی باڑی کے کاموں سے فرصت پانے کے بعد مختلف قریوں سے ان دیہاتیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ تبلیغ کے لئے نکلتے ہیں۔ گاؤں گاؤں پہنچ کر لوگوں کو خیر و صلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کا رخت سفر اور زاد راہ ان کے کندھوں پر ہوتا ہے کسی پر اپنا بار نہیں ڈالتے۔ نہ کسی سے اپنے لئے کچھ طلب کرتے ہیں محض اللہ کی خوشنودی انکے مد نظر ہوتی ہے، اور بے غرضانہ کام کرتے ہیں اس لئے جہاں جاتے ہیں دیہات اور قصبات کی آبادیوں پر ان کا غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا بسا اوقات یہ لوگ پیدل



گشت کرتے ہوئے دوسو میل تک چلے جاتے ہیں، اور جن جن بستیوں پر سے ان کا گذر ہوتا ہے وہ مذہبی بیداری اور کلمہ اور نماز کے نور سے منور ہو جاتی ہیں۔ خود مجھ کو بھی ان میں سے بعض بدوی مبلغین سے بات کرنے کا اتفاق ہوا اور ان کی سیدھی سادی زبانوں سے جب میں نے ان کے مقاصد اور ارادے سنے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ آغاز اسلام میں عرب کے بدوؤں کو جس روح نے صراطِ مستقیم کی تبلیغ کے لئے اٹھایا تھا وہی روح ان لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ ایک جاہل کسان سے میں نے پوچھا کہ تم دورے کیوں کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ:-

”ہم جہالت میں پڑے ہوئے تھے نہ ہم کو خدا کی خبر تھی اور نہ رسول کی اس مولوی

کا خدا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں سیدھا راستہ بتایا اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں تک بھی یہ نعمت پہنچائیں جو ہمیں ملی ہے۔“ الفاظ سن کر میری آنکھوں میں آنسوؤں بھر آئے یہی جذبہ تو تھا جس سے مخمور ہو کر صحابہ کرام اٹھے تھے اور اس طرح اٹھے تھے انہیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہتا تھا

اس دینی اصلاح نے میواتی قوم کے اس قبائلی انتشار کو بڑی حد تک دور کر دیا ہے جس نے اب تک ان کی قوتوں کو پراگندہ کر رکھا تھا دیہات میں وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے رہتے ہیں جن میں بیس بیس پچیس پچیس کوس سے لوگ شریک ہونے کے لئے آتے ہیں آٹھ آٹھ دس دس ہزار کا مجمع ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ بیٹھ کر دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور وہیں ان کے آپس کے جھگڑے بھی چکائے جاتے ہیں پھر دیہات سے جو تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں وہ نہ صرف دین کی تعلیمات پھیلاتی ہیں، بلکہ ساتھ ہی خود بخود باہمی اخوت و محبت کے تعلقات بھی قائم کر لیتی ہے۔ اس طرح قبائلی تفرقہ کی جگہ رفتہ رفتہ قومی وحدت پیدا ہو رہی ہے اور ایک ایسی تنظیمی ہیئت وجود میں آتی جا رہی ہے جس کے آگے چل کر بہت سے کام لئے جاسکتے ہیں۔



تنظیم کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کثیر التعداد افراد ایک آواز پر مجتمع ہوں اور ایک آواز پر حرکت کرنے لگیں۔ یہی چیز وہاں پیدا ہو رہی ہے اور بڑی حد تک پیدا ہو چکی ہے۔

یہ قابل قدر نتائج جو گنتی کے چند برسوں میں برآمد ہوئے ہیں، محض ایک مخلص آدمی کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہیں۔ وہاں نہ کوئی کمیٹی ہے، نہ چندہ ہے، نہ اس تحریک کا کوئی جداگانہ نام ہے، نہ اس کے ممبر بھرتی کئے جاتے ہیں، نہ کوئی امیر و رئیس پشت پر ہے۔ نہ کوئی اخبار نکلتا ہے۔ نہ قواعد بریڈ اور یونیفارم اور باجوں اور جھنڈوں کے نمائشی مظاہر ہوتے ہیں۔ نہ اپنے کارناموں کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ ایک سیدھا سا مولوی مسجد میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ اس غریب کو نمائش اور پروپیگنڈہ کے جدید مغربی طریقے بالکل نہیں آتے۔ نہ اس نے آجنگ اس کی ضرورت ہی محسوس کی کہ اس کے کاموں کا ڈھول دنیا میں پیٹا جائے ایک خالص دینی جذبہ ہے جو اس سے یہ کام لے رہا ہے، اور ایک دھن ہے جس میں وہ رات دن لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اکیلے آدمی نے جو ٹھوس کام کیا ہے وہ ہماری ان بڑی بڑی انجمنوں اور ان بلند بانگ تحریکوں سے آج تک بن نہ آیا جن کے نام آپ رات دن اخباروں میں سنتے رہتے ہیں۔ حقیقۃً اس نوعیت کی تحریک ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یا تو حضرت شیخ احمد مجدد دہری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھائی تھی یا حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا احیا کیا، یا اب مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کی توفیق بخشی ہے۔

اس وقت کے مسلمان عام طور پر جس حالت میں مبتلا ہیں وہ اس کی متقاضی ہے کہ ان کو از سر نو اسلام کی طرف دعوت دی جائے، اور پھر سے اس طرح مسلمان بنایا جائے جس طرح نبی ﷺ نے اہل عرب سے غفلت، ان کا اخلاقی تنزل، ان کی دینی سرد مہری، ان کی احکام اسلام سے غفلت، ان کی قوتوں کا انتشار، ان کے خیالات کی پراگندگی



ان کا مختلف راستوں پر بھٹکنا اور رہبر و ہرن میں امتیاز کئے بغیر ہر پکارنے والے کی آواز پر دوڑ چلنا، یہ سب نتائج ہیں اس ایک چیز کے کہ یہ لا الہ الا اللہ کے مرکز سے ہٹ گئے ہیں۔ ہماری بنیادی غلطی، جس کی وجہ سے ہماری تمام مفید تحریکیں ناکام ہو رہی ہیں یہی ہے کہ لفظ ”مسلمان“ جو ان کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے ہم دھوکا کھاتے ہیں، اور ان کو واقعی حقیقی مسلمان سمجھ کر ان سے توقع رکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی طرح کام کریں گے۔ ہم ان کے سامنے خدا اور رسول کے احکام بیان کر کے امید رکھتے ہیں کہ یہ اس طرح ان کے آگے سر جھکائیں گے جس طرح ایک مسلمان کو جھکانا چاہئے، حالانکہ درحقیقت یہ احکام کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ کلمہ طیبہ کے مخاطب ہیں۔ جبکہ ان کے دلوں میں کلمہ لا الہ الا اللہ ہی نہیں اترتا ہے پھر ان سے احکام کی وہ اطاعت، اور وہ مسلمانانہ روش کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے جو محض اس کلمہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحب کی کامیابی کا اولین سبب یہی ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ کی تبلیغ سے کام کی ابتدا کی، پھر جو لوگ اس پر ایمان لائے وہ ہر اس حکم کی تعمیل کرتے چلے گئے جو ان کو خدا اور رسول کی طرف سے سنایا گیا۔ وہ لوگ حقیقت میں نو مسلم ہیں اور نو مسلم ہی کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بالا راہ جس چیز پر ایمان لاتا ہے اس کے مقتضیات کو بطوع و رغبت پورا کرتا ہے۔ اب جو لوگ دین کا احیاء چاہتے ہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی راہ عمل نہیں ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان فرض کر کے آگے کی منزل پر پیش قدمی کرنے کا طریقہ چھوڑ دین، اور ان میں از سر نو پہلے قدم سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔

جہاں تک عوام میں کام کرنے کا تعلق ہے۔ میرے نزدیک اس کے لئے وہ



طریق عمل سب سے بہتر ہے اور انبیاء کے طریق عمل سے شبہ ہے جس سے مولانا محمد الیاس صاحب نے کام لیا ہے جو لوگ اس طریقہ پر کام کرنا چاہتے ہوں، ان کو میں مشورہ دوں گا کہ مولانا کے پاس جا کر ان کے کام کا ڈھنگ دیکھیں، ان کے مبلغوں کے ساتھ تعاون کر کے عملی سبق حاصل کریں، اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں اسی طرز پر دعوت و اصلاح شروع کر دیں۔ اس طرز عمل کے متعلق جو بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں ابتداء بڑے صبر کے ساتھ کام کرنا پڑھتا ہے۔ یہاں ہتھیلی پر سروسوں نہیں جمتی۔ بسا اوقات چند کام کے آدمی پیدا کرنے میں برسوں بیت جاتے ہیں، اور بار بار یہ خیال ٹوٹنے لگتا ہے کہ اس کا مشن ناکام رہا۔ ان سختیوں سے گزرنے کے بعد کہیں کامیابیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ (ماخوذ از ترجمان القرآن)

## عظیم دینی اداروں کے فتاویٰ

سوال : (۱) دورہ حاضر میں دعوت و تبلیغ یا تبلیغی جماعت کے نام سے جو محنت چل رہی ہے اور گشتوں ذکر و اذکار وغیرہ اعمال کی دعوت دیتی ہے یہ جماعت قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟

(۲) کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ جماعت ایمان کو مردہ بناتی ہے اور جذبہ جہاد کو ختم کرتی ہے اور اسلام کے خلاف کام کرتی ہے یا غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف سازش ہے؟

(۳) حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی جمع کردہ کتب فضائل اعمال کے بارے میں حضرات علماء کرام کی کیا رائے ہے۔



## ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

الجواب حامداً ومصلیاً: - (۱) حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے نظام الدین دہلی سے تبلیغی جماعت کا جو کام شروع فرمایا جس کے چھ نمبر ہیں اور وہ کام اللہ کے فضل سے بڑھتے بڑھتے آج تمام دنیا میں عرب و عجم میں پھیل چکا ہے جسکی بدولت بے شمار بددین، فاسق اب تتبع سنت اور پابند شریعت ہو گئے۔ بے نمازی بڑی تعداد میں نمازی بن گئے۔ جو لوگ کبھی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ باقاعدہ زکوٰۃ دینے لگے۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ مالدار ہونے کے باوجود ان کو حج کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ انہوں نے حج کیا اور بار بار حج کرتے ہیں۔ کتنی مسجدیں ویران پڑی ہوئی تھیں وہ نمازیوں سے آباد ہو گئیں۔ کتنی بستیوں میں دینی مدارس قائم ہو گئے۔ جن میں قرآن کریم، حدیث، تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے، کتنے اُن پڑھ اور جاہل آدمی عالم ہو گئے۔ اور تمام دنیا میں دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے پھر رہے ہیں۔ کتنے لوگوں کے ایمان نہایت پختہ ہو گئے جب کہ وہ پہلے سے مشرکانہ عقائد میں مبتلا تھے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی کیا اس کے دینی کام ہونے میں شبہ ہو سکتا ہے قرآن کریم اور حدیث شریف کا بھی تو یہی حکم ہے۔ اور سلف صالحین نے اپنی زندگیوں اسی کام کے لئے توقف کی ہیں۔

(۲) اس جماعت کے نصاب میں ایک کتاب ”حکایت صحابہ رضی اللہ عنہم“

بھی ہے جس میں جذبہ جہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہادری اور شجاعت اور دین کی خاطر جان کی قربانی اور صحابی بچوں اور صحابی عورتوں کے واقعات بھی اس سلسلے میں ترغیب اور اتباع کے لئے مذکور ہے۔ کم سے کم اسی کا مطالعہ کر لیا جائے تو معترض کے



اعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اگر کوئی شخص ایمان کے زندہ ہونے کا نام ہی ایمان کا مردہ ہونا رکھ دے اور قرآن کریم اور حدیث شریف کے امر کو جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے دشمنان اسلام کی سازش قرار دینے لگے وہ اپنے کام کا خود ذمہ دار ہے یا اسکی اصطلاح ہی کچھ اور ہو کہ وہ ایمان و اسلام کے ایسے معنی بیان کرتا ہو جو قرآن حدیث کے خلاف ہوں اور سلف صالحین نے بھی کبھی ایسے معنی بیان نہ کئے ہوں تو وہ اپنی جداگانہ اصطلاح میں مسلم و مومن ہے۔

(۳) بہت مفید ہیں۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ املاہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند

## جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

الجواب حامداً ومصلیاً:۔ یہ جماعت یقیناً سلف صالحین کے طریقہ پر ہے آج کل تمام دنیا میں دین کے فروغ اور دینداری پیدا ہونے کے جتنے طریقہ ہیں یہ طریقہ ان میں سب سے زیادہ نافع اور مفید ہے تجربہ اسکا شاہد ہے موجودہ علماء و اکابر اور ایسے ہی جو اکابر گزر چکے ہیں ان سب کی یہی رائے ہے اور تھی اس کی افادیت سے متعلق بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور لاعلمی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر جن لوگوں نے اس پر اعتراضات کئے ہیں ان کے تسلی بخش جوابات بھی اکابر و علماء حقانی نے زبانی اور تحریری بتلائے اور شائع کرادئے ہیں

العبد تکی غفرلہ

مظاہر علوم سہارنپور



## بین الاقوامی اسلامی ادارے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا فیصلہ

- ۱۔ دور حاضر میں تبلیغی جماعت کے نام سے جو جماعت کام کر رہی ہے۔ اس کا طریقہ اکابر سلف صالحین سے ماخوذ طریقہ کار ہے اور کتاب و سنت کے مطابق ہے اس طریقہ کار کو اپنانا اس کے مطابق جدوجہد کرنا ایک اہم ترین خدمت انجام دینا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق اس میں حصہ لے اور ہر ممکن تعاون کرے۔ جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے ذاتی اغراض میں یا ان کے ذاتی مفاد میں خلل پیدا ہوتا ہے ایسے مفاد پرست لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہ کرنا چاہیے۔
- ۲۔ تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کیلئے اس طرح کے الزامات عائد کئے گئے ہیں جماعت تو ایمان کو تازہ کرنا چاہتی ہے دینی جذبہ پیدا کرتی ہے اور اسلام کی بنیادی باتوں کی طرف دعوت دیتی ہے دینی جذبہ کو پیدا کر کے اسلام پر عمل کرانا چاہتی ہے نہ کہ اسلام کے خلاف سازش ہے۔
- ۳۔ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی جمع کردہ کتب فضائل و تبلیغی نصاب فضائل اعمال عمدہ کتابوں میں ان کتابوں کا شمار ہے علماء کے نزدیک یہ معتبر کتب میں سے ہے۔ لاکھوں انسانوں کو ان سے فیض پہونچا ہے اور پہنچ رہا ہے مؤثر ترین کتابوں میں سے ہیں اور قابل اعتماد ہیں۔

(۱) محمد ظہور ندوی عفاء اللہ عنہ (۲) ناصر علی

(۴) محمد برہان الدین

(۳) عتیق اختر

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۱/۷/۱۴۰۶ھ



## مدرسہ اشرف المدارس مجلس دعوة الحق ہردوئی کا فتویٰ

تصدیق شدہ خلیفہ حکیم الامت محی السنۃ الشاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم  
الجواب حامداً ومصلیاً: - (۱) تبلیغی جماعت ایک اصلاحی جماعت ہے جو اہل سنت  
کے طریقے پر ہے اس کا جو اصلاحی نظام ہے وہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے۔  
(۲) یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

(۳) مفید اور نافع کتابیں ہیں۔ تفصیلی معلومات چاہتے ہوں تو فتاویٰ محمودیہ (ج ۱) دیکھ لیا  
جائے حسب مصالح اسکو شائع کیا جاسکتا ہے

شفقت اللہ

الجواب صحیح

ابرار الحق اشرف المدارس ہردوئی

## جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم (وبہ نستعین وهو المستعان)

الجواب حامداً ومصلیاً: - (۱) سلسلہ تبلیغ و دعوت نہایت مستحسن اور ضروری  
ہے۔ کتاب و سنت میں اس کے بارہ میں اس کو بہت اہمیت دی گئی ہے قال تعالیٰ کنتم  
خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہن عن المنکر و تؤمنون  
باللہ . وقال النبی ﷺ وبلغوا عنی ولو اية جو طریقہ تبلیغی جماعت کا ہے اکابر علماء  
نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ حضرت شاہ الیاس صاحب اکابر علماء و اولیاء اللہ سے ہیں جنہوں  
نے یہ سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ ہمارے جملہ اکابر نے اس میں شرکت فرمائی ہے اور اب بھی



اس کے اجتماعات میں حسب موقعہ شریک ہوتے ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ اس زمانہ میں اگر کوئی جماعت منہاج نبوت کے زیادہ قریب ہے وہ تبلیغی جماعت ہے تبلیغی جماعت کے ذریعہ وہ کام ہوا ہے کہ موجودہ ادوار میں کسی جماعت نے نہیں کیا۔ اگر تبلیغی جماعت کا کوئی فرد بے اصولی کرے اس سے اصول پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۲) یہ بالکل غلط ہے کہ تبلیغی جماعت مسلمانوں کو مردہ بناتی ہے وہ ایمان کی کھیتی کو شاداب اور باحیات بنا رہی ہے۔ رہا غیر مسلموں کی اس میں سازش تو اس کیلئے ثبوت پیش کریں۔ اس قسم کی باتیں کرنے والے اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں کتنے لوگ ہیں جو جماعت کی محنت سے شعائر اسلام کے پابند ہو گئے۔ ان کے گھروں میں اسلام و ایمان کی روشنی داخل ہو گئی

(۳) حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فضائل اعمال کے سلسلہ میں جو کتابیں مرتب فرمائی ہیں وہ سب کتاب و سنت کے تراجم اور ان کی تشریحات ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات ہرگز ہرگز نہیں فرمائی۔ جو تشریحات فرمائی ہیں وہ سب اکابر علماء سلف و خلف سے منقول ہیں۔ کچھ ضعیف روایات بھی ان میں انہوں نے ان میں درج فرمائی ہیں جو کتب احادیث سے نقل کی ہیں جن کو اکابر علماء محنتوں سے جمع کر گئے ہیں اول تو فضائل اعمال میں ضعیف روایات بھی مقبول ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ سب اکابر کی معتبر و مستند کتابوں سے منقول ہیں۔ یہ شیخ زکریا پر نقد نہیں بلکہ محدثین کرام و علماء امت جامعین احادیث پر اعتراض ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔  
-وہو الموفق والمعین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ تفصیل کیلئے رجوع



کریں ”فتاویٰ محمودیہ“ کی طرف ممکن ہے آپ کے کتبخانہ میں موجود ہو۔  
کتبہ العبد الحقیر الجانی شبیر احمد غفرلہ  
جامعہ مدرسہ شاہی مراد آباد

مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی  
خطیب شاہی جامع مسجد میرٹھ و صدر مرکزی دینی تعلیم بورڈ اتر پردیش

(۱) دور حاضر میں تبلیغی جماعت کے نام سے ہندوستان اور بیرون ہند میں جو کام ہو رہا ہے، اس سے عام مسلمانوں کو بہت کچھ دینی نفع ہوا ہے اور مسلمان دین کی اہم اور بنیادی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ اس جماعت کا کام سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق ہے۔

(۲) تعلیمات دین سے واقفیت ایمان میں قوت اور تازگی پیدا کرتی ہے اور جذبہ جہاد میں بھی قوت و طاقت پیدا ہوتی ہے جو شخص جتنا کامل الایمان ہوگا اتنا ہی دفاع عن الاسلام میں مستعد ہوگا۔ غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف سازش یہ ہے کہ ایسی دین کی اشاعت و خدمت کرنے والی جماعت کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر دین کے کام کو نقصان پہنچایا جائے۔

(۳) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ایک جلیل القدر اور وسیع النظر محدث تھے۔ ان کی عربی اور اردو تصنیفات ان کے فضل و کمال کی شاہد عادل ہیں۔ ان کی کتب فضائل بھی مفید اور معتبر ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ زین العابدین خطیب شاہی جامع مسجد میرٹھ و صدر مرکزی دینی تعلیم بورڈ۔



صدیق العصر حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ

الجواب حامداً ومصلیاً: - تبلیغی جماعت جن اصول کے ساتھ کام کر رہی ہے وہ قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے انفرادی حیثیت سے کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے پوری جماعت کو مورد الزام قرار دینا انصاف کے خلاف ہے اس قسم کی خامی کس کے اندر نہیں ہے کوئی دینی ادارہ حتیٰ کہ خانقاہ تک اس سے خالی نہیں اس جماعت سے بحمدہ تعالیٰ دینی بیداری مسجد لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے لاکھوں کی زندگی بنی ہے اور بن رہی ہے جب دین آدمی کے اندر آتا ہے تو ایمان کی پختگی آتی ہے اس کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے جانی مالی قربانی بھی اس کیلئے آسان ہو جاتی ہے

جن حضرات نے اس جماعت کے ساتھ چل کر کام نہیں کیا اور نہ ان لوگوں کو دیکھا جن کی زندگی اس جماعت کی محنت سے درست ہو رہی ہے وہی لوگ اس قسم کے لچر اور بے سرو پا اعتراضات کرتے ہیں۔ اللہ پاک سمجھ عطا فرمائے اس جماعت کی محنت سے ویران مساجد آباد ہوئیں جہاں مسجدیں نہ تھیں وہاں مسجدیں تیار ہوئیں بے شمار دینی مکاتب قائم ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ بے کلمہ اور نماز کے جو دفن کردئے جاتے تھے وہاں بکثرت علماء اور حفاظ پیدا ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں مستند ہیں ان کتابوں کے پڑھنے سے خدا کا خوف، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی محبت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

آخر میں گزارش ہے کہ کسی سے مباحثہ اور مناظرہ کی شکل نہ پیدا ہونی چاہیے۔ اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہیں سب کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں اس کا اثر انشاء اللہ اچھا



ہوگا اور مخالفت ختم ہوگی۔

والله اعلم بالصواب والیہ مرجع والمآب

احقر صدیق احمد غفرلہ خادم جامعہ عربیہ ہتورہ باندہ

مفکر مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

ممبر رابطہ عالم اسلامی و شاگرد رشید علامہ انور شاہ کشمیری

اس سلسلہ میں ایک نہایت ضروری اور بنیادی بات یہ ہے کہ تبلیغی کام سے متعلق جو کتابیں یا مضامین میں نے یا کسی صاحب نے لکھے ہیں جن کا آپ نے مطالعہ فرمایا ہے (جن میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دینی دعوت اور ملفوظات بھی شامل ہیں) ان کے مطالعہ سے تبلیغی کام کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ کتابیں یا مضامین ان ہی لوگوں کیلئے کسی درجہ میں کارآمد ہیں جنہوں نے عملی شرکت کے ذریعہ اس کام کو بنیادی طور پر سمجھ لیا ہو۔ اس لئے میرا باصرار مشورہ یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے پہلے اگر چلہ مہینہ نہیں تو کم سے کم ہفتہ عشرہ کام کے مرکز نظام الدین میں قیام کریں۔ اس سے پہلے کام کے بارے میں کچھ لکھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ یہ کام اصلاً عملی ہے۔

کچھ مدت تک میں خود بھی اس غلط فہمی میں رہا ہوں کہ کتابوں مضامین اور لٹریچر کے ذریعہ اس کام کا تعارف کرایا جائے جس طرح عام طور پر اس زمانے میں تحریکوں کا تعارف لٹریچر اور رسائل کے ذریعہ کرایا جاتا ہے۔ لیکن طویل تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ میری یہ رائے صحیح نہیں ہے اس دینی دعوت کا لٹریچر بس اس کو صحیح طور پر کرنے والے افراد یا جماعتیں ہیں جو حال قرن اولیٰ میں اسلام کا تھا۔



افسوس ہے کہ آپ کے اس سے پہلے خط کے جواب میں میں نے جو لکھا تھا اس وقت یہ بات ذہن میں نہیں آئی۔ ورنہ اسی وقت یہ بات لکھنے کی تھی میں آپ کو یہ بات خاص طور پر اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میری خواہش اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کشمیر کے علاقے میں آپ سے اس دینی دعوت کی خاص طور سے خدمت لے۔ اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ اصل عمل کو دیکھیں۔

مرکز نظام الدین کا عام دستور اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ آنے والوں کو جلدی ہی کسی جماعت کے ساتھ بھیجتے ہیں۔ اگر آپ ارادہ کریں تو مجھے لکھ دیں میں مرکز کے حضرات سے آپ کے بارے میں درخواست کروں گا کہ آپ کو کچھ قیام کا موقع مل جائے۔ اور اس قیام کے زمانے میں ایک دو دن کی جماعت کے ساتھ کہیں بھیجا جائے۔

جس نے نظام الدین کے کام کو خود نہیں دیکھا وہ اگر اپنے وقت کا افلاطون بھی ہے تو کام کی حقیقت۔ طریقہ کار اور وسعت کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ کے مختلف ملکوں کی متعدد جماعتیں مرکز نہ آتی ہوں اور وہاں سے پروگرام لیکر روانہ نہ ہوتی ہوں۔ اگر آپ کیلئے قابل تحمل ہو تو میں مشورہ دوں گا کہ پہلے چند دن کیلئے لکھنؤ تشریف لائیں۔ اور یہاں سے نظام الدین دہلی کا پروگرام بنائیں۔ وہاں جا کر آپ خود اس کو محسوس کریں گے کہ یہاں کام کو دیکھے بغیر اور کام میں عملی شرکت کے بغیر اس کام کو سمجھا نہیں جاسکتا اس کے بعد آپ انشاء اللہ اس کے داعی بن جائیں گے اور علی وجہ البصیرت لوگوں کو اس کی دعوت دیں گے اور پورے علاقہ میں صحیح نہج پر اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ کام کو جاری فرمادیں گے۔

یہ عاجز دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کیلئے اس سب کو آسان فرمادے خود بھی



دعاؤں کا محتاج اور طالب ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی (بقلم محمد حسان نعمانی)

## مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

آپ کا خط ایک طویل سفر سے واپسی پر ملا۔ جبکہ ڈاک کا ڈھیر ہے۔ آپ ایسے شخص سے جوابات مانگ رہے ہیں جو خود تبلیغی جماعت کا بڑا قدردان اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی دینی دعوت کا ترجمان اور ان کا سوانح نگار ہے۔ اس کے جوابات ظاہر ہے کہ کیا ہوں گے۔ آپ اور علماء سے رجوع کیجئے۔

والسلام مخلص ابوالحسن علی

## مکتوب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کرتی ہے۔ بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ اسکی ہمت افزائی کی جائے اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد اور یگانگت کا قوی جذبہ پیدا ہو اور ان کو مذہبی احساسات کی گرمی کی طرف چلایا جائے، جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجہ کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں، بنا بریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جائیں، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ



## مکتوب:- حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ

اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی نوبت نہیں آتی، روایات پر رائے قائم فرماتے ہیں، نیز چونکہ اس کی کوئی منظم جماعت نہیں بلکہ خود آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ ان حضرات کی کوشش رہتی ہے کہ ہر جگہ سے آدمی نکلیں، نئے آدمی اصول سے واقف نہیں ہوتے ان سے بے اصولیاں بھی ہوتی ہیں، اس ناکارہ کو شروع ہی سے بہت قریب سے دیکھنے کی نوبت آئی ہے اب ان جماعتوں کے کارنامے بہت کثرت سے دیکھنے اور سننے کے مواقع پیش آتے ہیں۔

میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالات کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں بے نمازی، بے دین دیندار بن گئے۔ جو لوگ علماء اور مدارس کے بہت خلاف تھے وہ سینکڑوں کی مقدار میں اہل علم سے متعلق اور مدارس کے معین بن گئے۔ نہ صرف ہندوستان پاکستان بلکہ عرب ممالک اور دوسرے یورپ کے بہت سے شہروں میں ہزاروں آدمی دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جن ممالک میں مساجد ویران پڑی تھیں ان میں باقاعدہ نماز بلکہ تراویح کا اہتمام ہو گیا۔

## خواب میں حضور اکرم ﷺ کی تائید!

ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر آپ اپنے شیخ کی رضا کے تحت شرکت نہ فرماویں۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عنایت الہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے جب مبشرات نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر (کثرت) سے نقل کئے جا رہے ہیں اور حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات و تاکیدات



خوابوں میں کثرت سے کی جا رہی ہے جن کے متعلق نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد۔  
امری رؤیاکم قد طوالت فی السبع الاخر الحدیث۔ جس کو شیخین  
نے تخریج کیا ہے کی روشنی میں کثرت سے حضور ﷺ کا خوابوں میں حمایت کرنا، جو اتنی  
کثرت سے سننے میں آ رہی ہے کہ اس کا احصاء دشوار ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر یہ ناکارہ مخالفت کو  
خطرناک سمجھ رہا ہے۔

عدم شرکت دوسری چیز ہے، کوئی شخص اپنے اعذار کی وجہ سے یا اپنے شرح صدر  
نہونے کی وجہ سے شرکت نہ کرے اس میں بندہ کے نزدیک کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن مخالفت  
دوسری چیز ہے۔

**مکتوب:۔ مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب**

یہ تبلیغ آج سے نہیں ایک زمانہ دراز اس پر گزر چکا ہے اور اب عروج (ترقی) پر ہے۔

جب علماء اس میں شریک ہیں تو انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی  
حیثیت کو مد نظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا، اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح و لائح  
ہے۔ اس کے بعد اب سوال کی، اور پھر ہم جیسے لوگوں سے کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

کام مقصود ہے اور اس کو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں

**مکتوب حضرت مولانا اسد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور**

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت (تھانویؒ) نے کسی کو میرے  
سامنے تبلیغ سے نہیں روکا اور نہ منع کیا۔



جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں اپنی شرکت کو سعادت سمجھتا ہوں میرے عوارض مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں۔ پھر بھی گا ہے گا ہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔

اور اب سے چار پانچ سال قبل سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر و باطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں۔ اور وہ لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں انہیں میں بتا کید تبلیغ میں شرکت کیلئے کہتا رہتا ہوں، ادھر ایک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حضرت کے یہاں برابر تبلیغ کا کام ہوتا رہتا ہے ممکن ہے کہ حضرت نے کسی مبلغ کے متعلق کچھ فرمایا ہے نفس تبلیغ پر حضرت نے میرے علم کے مطابق کبھی نکیر نہیں فرمائی۔

مجھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت (شاہ عبدالغنی) پھول پوری قدس سرہ تبلیغ کے بڑے زبردست حامی تھے، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تو انتہائی شد و مد کے ساتھ تبلیغ کے حامی تو تھے ہی نیز دورہ کے اساتذہ حضرت مولانا محمد امیر احمد صاحب مفتی مظفر حسین صاحب اور دوسرے مدرسین عملاً شرکت کرتے رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ دراصل تبلیغ کا سرچشمہ اور منبع مظاہر علوم بذات خود ہے۔ اس تحریک کے مؤسس، مؤید سرپرست سب ہی مظاہر کے سرپرست رہے۔

## حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

چند ہی دنوں کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے یہاں مولانا عبید اللہ صاحب سرگرم کارکن تبلیغ سے تبلیغی تقریر کرائی اور حضرت مفتی صاحب موصوف اپنے یہاں کام کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت تھانویؒ کے بہت سے



متوسلین اور معتقدین تبلیغ میں عملی حصہ لیتے رہتے ہیں۔

## حضرت تھانویؒ کا ملفوظ بزبان حضرت مولانا عبد الباری صاحب

احقر بستی نظام الدینؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا غالباً دوسرے ہی دن قصبہ ”نوح“ میں اس تبلیغی سلسلے کا بڑا سالانہ اجتماع تھا جس میں باصرار ساتھ چلنے کی اور معائنہ اور مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل رہی، احقر کی دہلی سے سیدھے تھانہ بھون حاضری تھی جب رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور یہاں کے کام کا ذکر کرنا اور جو کچھ فرمائیں مجھ کو ضرور لکھنا چنانچہ سلام رسانی کے بعد قصبہ ”نوح“ تک کے جواثرات تھے وہ مختصر عرض کئے تو حضرت (مولانا تھانویؒ) نے فرمایا اصل کام تو یہی ہے۔

## ارشادات حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جماعت میں نکلنا اس قدر دشوار کیوں؟

ایک کام کرنے والے صاحب نے بیان کیا کہ تبلیغ میں نکلنے کیلئے ہماری طبیعت کیوں نہیں چاہتی؟ وجہ یہ ہے کہ تبلیغ میں نکل کر ہمیں نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے حالانکہ تبلیغ کوئی مشکل کام نہیں ہے دنیا کے کام میں ہماری طبیعت صرف اس لئے چلتی ہے کہ اس میں نفس کے موافق کام ہوتا ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیاوی مشاغل میں تو ایک بار نفس کو ماننا پڑتا ہے لیکن بے شمار پریشانیوں میں یہ مبتلا ہو جاتا ہے بخلاف دین والے کام کے کہ اس میں ایک بار نفس کو گراں گذرتا ہے لیکن بے شمار راحتوں اور آرام کا دنیا و آخرت میں باعث



بنا ہے تو تبلیغ میں نکل کر ایک بار تو نفس کے خلاف کام تو ضرور کرنا پڑتا ہے اس کے بعد ساری چیزوں کو خدا دنیا و آخرت میں موافق ہی موافق کر دیتے ہیں۔

گاڑی میں چاہیے جتنی بھیڑ ہو۔ اور لوگ کتنے ہی ایک دوسرے پر لدے ہوئے سفر کیوں نہ کر رہے ہوں لیکن اگر اپنا جاننے والا کوئی شخص آ جاتا ہے تو جگہ نہ ہونے کے باوجود بھی اس کیلئے جگہ ہو جاتی ہے اور اسے بیٹھا لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر گاڑی میں زیادہ بھیڑ نہ ہو اور سیٹ خالی ہو تو آرام سے پیر دراز کر کے لیٹ جائیں گے اور اس وقت اگر کوئی اجنبی آدمی آ کر جگہ طلب کرتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ جگہ نہیں ہے تو ایک جگہ ”جگہ“ نہیں ہے لیکن اپنا جاننے والا شخص آ جاتا ہے تو اس کیلئے جگہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے برخلاف جگہ ہے لیکن جاننے والا شخص نہیں ہے تو اس کے لئے جگہ نہیں ہوتی ہے۔

اب اگر ہم دین کو اپنا دین سمجھتے ہیں۔ اور اپنی جان و مال سے زیادہ قیمتی چیز سمجھتے ہیں تو باوجود ہمارے پاس جگہ اور وقت کے نہ ہونے کے پھر بھی اس کیلئے جگہ اور وقت نکل آئے گی۔ اور اگر ہم اس کام کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تو باوجود مال اور وقت ہونے کے پھر بھی ہم نہیں نکل سکیں گے۔

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب<sup>رحمہ اللہ</sup>  
کے بیان میں سے چند اقتباسات

تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم

تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد الیاس صاحب<sup>رحمہ اللہ</sup> کے دل میں بطور فن کے القا کیا اس میں تعلیم و تربیت، سیر و سیاحت، روح کی دلچسپی بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے، آج



کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے، اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس خاموش تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آ رہا ہے، ہندوستان کے ہر خطے میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نہ فتنہ و فساد ہے اور نہ واویلا شور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کہیں غدر کیا، کہیں فساد برپا کر دیا یہ ایک خاموش تبلیغ ہے جو عالمگیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آ رہی ہے۔

### تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ

تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے، وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے، گھر کے ماحول میں اور اس ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے، یہاں اسے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے، وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے۔

### تبلیغ کا مقصد

حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے علم حاصل کیا تھا غیر اللہ کے لئے، مگر جب علم آ گیا تو اس نے کہا کہ میں تو خدا کے لئے ہوں، اس تبلیغی کام کا ایک نظام ہے اور اوقات نکالنے کا ایک اصول ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ قلب کی صفائی ہو، وہ تمام دنیوی آلودگیوں سے پاک ہو، تزکیہ نفس ہو، انشراح قلبی اور روحانی قوتوں کو جلا ہو، شیطانی قوتیں دبیں اور مغلوب ہو جائیں۔



## بے لوث خدمت

آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے، اس میں نہ عہدے ہیں نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے اپنی جیب پر بار ہے، یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لئے ایک بڑی پناہ گاہ ہے کسی ریاست کی بنیاد ہوتی ہے ”توہمات“ اور ”تنازع البقا“ پر لیکن یہاں اس کے برعکس ہے یہاں تنازع البقا کی جگہ فنا للبقاء ہے اور توہمات کی جگہ محبت والفت ہے، ریاست کے لئے پارٹیاں بنائی جاتی ہیں اور یہاں خود بخود پارٹیاں بن جاتی ہیں۔

## تبلیغی کام کے ساتھ کھلی مدد

یہ اللہ کی کھلی مدد اور نصرت ہی تو ہے کہ دیکھتے دیکھتے یہ کام عالمی بن گیا بڑے بڑے شہروں اور ملکوں سے گذر کر دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا تو یہ اللہ کی مدد ہے۔

اب جب کام اس قدر عام ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو بھی اس میں نکلا ہے اپنی خامی اور نقص کے ساتھ نکلا ہے تو ضرور کام کرنے والوں میں نقص اور خامی آئے گی لیکن اس کی وجہ سے کام کو نہیں چھوڑیں گے بلکہ اس کی اصلاح کریں گے۔ جیسے بیٹا خواہ کتنا ہی نافرمان کیوں نہ ہو پھر بھی باپ بیٹے کو نکال نہیں دیتا بلکہ اصلاح کرتا ہے اس طرح سے کچھ لوگوں کے غلط ہونے کی وجہ سے کام کو نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی اصلاح کی جائے گی اس لئے کہ ان کی یہ غلطی ذاتی غلطی ہے اور ذاتی یا شخصی غلطی کی وجہ سے اس عظیم کام کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اس کام کو اٹھایا ایک مجلس میں حضرت مولانا



نے فرمایا جسمیں میں (حکیم الاسلام) بھی موجود تھا۔ ”میرا مقصد اس دعوت و تبلیغ سے یہ ہے کہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جا کر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جا کر اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں۔ ہم نے تو صرف یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ اپنے اخلاق درست کر لو۔“

اب آگے ہے طریق، مولانا نے ایک طریقہ اختیار فرمایا آپ نے دیکھا کہ زمانے کے حالات کے پیش نظر سب سے پہلی چیز اس زمانے میں عمومیت اور اجتماعیت اور جمہوریت ہے انفرادی طور پر اس زمانے میں کوئی چیز چلتی نہیں۔ حتیٰ کہ کھیل کی بھی ٹیمیں بنتی ہیں کہ فلاں ٹیم فلاں ملک میں جا رہی ہے۔

تو مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے دیکھا کہ اس زمانے میں عمومیت اور جمہوریت و اجتماعیت سب سے بڑی چیز ہے۔ تو انہوں نے تبلیغ کے اندر بھی ایک عمومیت اور اجتماعیت پیدا کر دی۔ رہا انفرادی طور پر وعظ کہہ دینا یہ علماء کا کام ہے وہ کر رہے ہیں وہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ لیکن اس زمانے میں اثر جو ہوگا وہ اجتماعی رنگ میں ہوگا اسلئے انہوں نے جماعتی تبلیغ رکھی کہ اکیلے آدمی نہ جائے بلکہ جماعت کے ساتھ جائے۔

دوسری چیز انہوں نے اس میں فضائل کو رکھا کیونکہ فضائل میں اختلاف نہیں ہے اور اس سے دین پر چلنے کی ترغیب ہوتی ہے اور مسائل کو اس لئے نہیں رکھا کہ مسائل میں اختلاف ہے اگر مسائل بیان کئے گئے تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگا۔ لوگ اختلاف کے شکار بن جائیں گے اور اصل کام سے رہ جائیں گے۔ دوسری چیز انہوں نے یہ دیکھی کہ داعی اور مبلغ اس وقت کام کر سکتا ہے جب کہ اپنے سامان عیش و آرام کو چھوڑ دے کیونکہ اگر وہ ہر وقت آرام و عیش میں رہا تو وہ تبلیغ کیا کرے گا۔ اسکو تو اپنے نفس ہی کے آرام سے فرصت



نہ ہوگا اسلئے مولانا نے دوسرا اصول رکھا کہ گھروں سے انکو نکالو اور گھروں کے عیش و آرام کو چھڑا کر انکو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجاؤ اب وہ خود ہی اپنے سامان لادے ہوئے جارہے ہیں۔ اور جیسا جہاں موقع ملا وہیں پڑے رہے۔

فرض کیجئے کہ کسی نے ایک چلہ دیدیا تو اُسے ایک نئی زندگی معلوم ہوگی کیونکہ گھر والی زندگی عیش و آرام کی ہے اور یہ محنت و جفاکشی والی زندگی ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں کہ جن کے ذہنوں میں یہ ہے ہی نہیں کہ تبلیغ ہمارے ذمہ بھی فرض ہے۔

حالانکہ اسلام نے ہر مسلمان کو داعی بنایا ہے لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ دعوت دینا صرف علماء کا کام ہے ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے اس روگ کو نکالنے کی کوشش کی کہ ہر شخص داعی بنے۔ مگر بات وہی ہے جو داعی بنے وہ مسائل بھی سیکھے اگر مسائل سے واقفیت نہیں رہی تو اسٹیج پر آ کر جہلاء ایسی باتیں بھی کہیں گے جو خلاف شرع ہونگی مسائل کے خلاف بھی ہونگی۔ اس سے لوگ خرافات اور بدعات و منکرات میں مبتلا ہونگے تو تبلیغ کا الٹا اثر ہو جائے گا تو تبلیغ اس لئے رکھی تاکہ یہ دین پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کر دے تو اس کے بعد اس جذبے کے نکالنے کا طریقہ مسائل ہیں خواہ تعلیم سے ہوں یا کتاب پڑھ کر ہو یا کسی مدرسہ میں داخل ہو کر ہو یا مفتیوں سے فتاویٰ معلوم کر کے، کہ یہ مسئلہ پیش آیا ہم کیا کریں تو اسکے حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں مگر وہ سب لازم ہیں علماء کو چاہئے کہ جو طریقے ان کے ذہن میں ہوں تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کریں۔ یہ نہیں کہ عوام کے سامنے پیش کر دیں ورنہ عوام تو سرے سے تبلیغ سے بدظن ہو جائیں گے۔ اگر عوام میں یہ اعلان کیا کہ یہ طریقہ غلط ہے تو عوام بدظن ہو کر چھوڑیں گے۔ نہ تعلیم کے رہیں گے اور نہ تبلیغ کے۔



علماء کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کریں وہ ایک ڈھنگ اختیار کر کے اس پر چل رہے ہیں آپ دوسرا اختیار کریں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ اس میں ٹکراؤ پیدا کیا جائے بہر حال تبلیغ ان پر بھی فرض ہے اور آپ پر بھی فرض ہے۔ یہ کام ہر ایک کے ذمہ ہے یہ طریقہ جو ہے کہ علماء اعتراض کریں مبلغین پر اور مبلغین اعتراض کریں علماء پر اس سے ضعف اور ٹکراؤ پیدا ہوگا اور جو کام ہو رہا ہے وہ بھی رک جائے گا۔

لہذا ضروری یہ ہے کہ ایک جماعت دوسرے سے مل کر کام کرے تبلیغ والے افراد لوگوں میں جذبات دین پیدا کریں اور علماء حضرات مکاتب قائم کرتے چلیں جائیں تاکہ تعلیم ختم نہ ہو۔ جب تعلیم و تبلیغ کا جوڑ پیدا ہوگا تو اس سے کامیابی ہوگی۔

بہر حال تبلیغ کا ایک کام ہو رہا ہے اور اس کا فائدہ بھی ظاہر ہے۔ تبلیغی جماعت والوں نے اس پر بھی زیادہ زور دیا ہے کہ کلمہ طیبہ کی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جماؤ اور توحید کے اوپر لاؤ جو اصل بنیاد ہے اور دوسرے نماز اور ذکر اللہ پر زور دیا ہے کہ اگر نماز کی پابندی ہوگئی اور ذکر کی شان پیدا ہوگئی تو ہزاروں چیزوں کی اصلاح ہو جائی گی اور دینی جذبہ پیدا ہوگا تو ان کی نگاہ اس پر ہے۔

## ایک سے ہزار بنتے ہیں

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے جب یہ کام شروع کیا تو تنہا ہی تو تھے کوئی ان کا معین و مددگار نہیں مگر ایک جذبہ تھا ان کے دل میں، صدق و اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑھتے بڑھتے وہ بین الاقوامی کام بن گیا اور دنیا کے ملکوں سے جماعتیں آنے لگیں اور یہاں سے جماعتیں جانے لگیں، تو اگر ایک فرد مخلص ہو اور جذبہ سے کھڑا ہو تو وہ ہزار کو اپنا لیتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ تنہا تو آئی ہیں دنیا میں، کوئی ان کے ساتھ خزانہ نہیں



ہوتا تنہا اللہ پر بھروسہ کر کے دعوت دیتے ہیں لوگ آتے رہتے ہیں جماعتیں بنتی رہتی ہیں  
بالآخر دین پھیل جاتا ہے تو ایک سے ہزار بنتے ہیں، ہزار سے ایک نہیں بنتا۔ ایک آدمی اگر  
مخلص ہو تو ہزار کو بنا لے گا بشرطیکہ جذبہ صحیح ہو۔ (مجالس حکیم الاسلام)



# مکمل دعوت اور مکمل دین مضمون منتخب از ماحنامہ الفرقان ستمبر ۲۰۱۱ء



# مکمل دعوت اور مکمل دین

[خانقاہ نعمانیہ میں روز آٹھ عصر بعد ہمارے استاذ و مربی حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی کی ایک مختصر مجلس ہوتی ہے۔ اس مجلس میں بہت اہم علمی و اصلاحی باتیں آتی رہتی ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی ایک مجلس کی گفتگو پیش کی جا رہی ہے، جس میں شرکاء زیادہ تر علماء طلباء تھے — مرتب]

اذان کے بعد دعا کے جو الفاظ ماثور و منقول ہیں ”اللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ اَتَيْتُكَ بِهَا مَحْمُودًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ“ اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے، اس دعا سے بڑے گہرے اسرار و رموز کھلتے ہیں، لیکن اس وقت صرف دو چیزوں کی طرف اشارے کا خیال ہوا ہے، ایک یہ کہ اللہ نے اذان کو مکمل دعوت قرار دیا ہے، اور دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کو ”الدعوة التامة“ یعنی مکمل دعوت سے تعبیر کر کے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ دعوت کے ارکان کیا ہیں؟ کن چیزوں کی طرف دعوت کو مکمل دعوت کہا جائے گا۔

اذان میں سب سے پہلے اللہ کی کبریائی اور اس کے سب سے بڑے ہونے کا اعلان ہے، اور قرآن مجید میں لفظ ”وَرَبِّكَ فَكَبِّرُ“ سے یہ اشارہ ملتا ہے، کہ داعی کو سب سے پہلے، جس بات پر زور دینا ہے، وہ اللہ کی ربوبیت اور کبریائی ہے۔

اللہ کی وحدانیت کے دو خاص رخ ہیں، ایک توحید الوہیت اور دوسرے توحید ربوبیت۔۔۔ اللہ کا بندوں سے رشتہ توحید ربوبیت کا ہے، اور بندوں کا اللہ سے رشتہ، توحید الوہیت کا ہونا چاہئے، چونکہ ساری چیزوں کا خالق و مالک اللہ ہے، نفع و نقصان، عزت و ذلت، سب کچھ اسی کے ہاتھ ہے، وہ مالک و مختار اور ”فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ“ ہے، ہر فعل کا حقیقی فاعل اللہ ہے، ہر حال کا خالق اللہ ہے، ہر شئی کا خالق اللہ ہے، اس لئے صرف اسی سے دل لگانا چاہئے اور اسی کی بندگی کرنا چاہئے، یہ توحید الوہیت ہے۔

آپ کسی بھی دعوت کو تولنا چاہیں، کہ کوئی دعوت ”علیٰ منہاج النبوة“ ہے، تو آپ کو بہت سی

☆ رفیق معبد الامام ولی اللہ دہلوی للدراسات الاسلامیہ



تحریکوں سے سامنا پڑے گا، آپ ان کا لٹریچر پڑھیں گے، ان کی باتیں سنیں گے، اور ان کی فکر پر غور کریں گے، تب آپ کو امت کی رہنمائی بھی کرنا پڑے گی، کہ یہ دعوت ”اقرب الیٰ منہاج النبوۃ“ ہے، یہ دعوت مزاج نبوت سے قریب تر ہے، اور فلاں دعوت، منہاج نبوت سے قریب نہیں ہے، فلاں دعوت، سیاسی تحریکوں سے قریب ہے، فلاں دعوت، عوامی اور مادی تحریکوں، خواہ وہ اچھے مقاصد کے لئے ہوں، سے قریب تر ہے۔۔۔ دعوت کے ”علیٰ منہاج النبوۃ“ ہونے کے لئے پہلی شرط یہ ہے، کہ اس میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جا رہا ہو، کہ بندے کا دل اللہ کی ربوبیت سے بھر جائے، اس کے دل سے شک نکل جائے اور غفلت ختم ہو جائے، اور اس کا یقین بن جائے، کہ رب صرف اللہ ہیں ”ان الذین قالوا ربنا اللہ“ پھر آگے کے سارے وعدے اور بشارتیں، ان کے لئے ہیں۔

اذان میں توحید الوہیت کی دعوت ہے، اشهد ان لا الہ الا اللہ۔ توحید الوہیت، توحید ربوبیت کا ایک فطری نتیجہ ہے، جب ایک ہستی ہی سب کچھ ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور کی بندگی کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے توحید الوہیت کا مطالبہ فرمایا ہے، اور دلائل توحید ربوبیت کے قائم فرمائے ہیں، ہر جگہ دلائل، توحید ربوبیت کے ہیں اور مطالبہ توحید الوہیت کا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا، کہ جب بھی ہمیں توحید، یقین اور ایمان کی دعوت دینی ہے، مسلمانوں کے سامنے بیان ہو، خواہ غیر مسلموں میں، سب سے زیادہ بیان ربوبیت کا کرنا ہوگا۔ اور خود بھی اللہ کی شان ربوبیت پر غور کرنا ہوگا، ربنا ما خلقت هذا باطلاً، اس کے بعد دل کی کیفیت توحید الوہیت کی ہونی چاہئے، کہ یا اللہ! میرے تو آپ ہی ہیں۔

الہ کا لفظ مادہ ”و لہ یلہ ولہا سے ہے، جس کا معنی والہانہ محبت ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ والہانہ محبت کے لائق، اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، اور عبودیت، دراصل محبت اور غلامی کے اظہار کی آخری شکل ہے، سجدہ اور رکوع یہ محبت اور غلامی کے اظہار کی سب سے اعلیٰ شکلیں ہیں، غرض جب کوئی دعوت مکمل ہوگی تو اس میں پہلی دعوت رب کی کبریائی کی ہوگی، دوسری دعوت توحید الوہیت کی ہوگی اور تیسری دعوت طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی دعوت ہوگی، یہ دعوت تاملہ (مکمل دعوت) کے تین ارکان ہیں۔

جس دعوت میں اقتصادی مسائل، معاشی مسائل، سیاسی مسائل اور اقتدار کا حصول وغیرہ سب ہوں، لیکن نہ توحید ربوبیت پر اصرار ہو اور نہ توحید الوہیت کی تذکیر و مطالبہ ہو، سنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا بار بار تذکرہ ہو اور نہ ہی اتباع پر زور ہو، تو یہ دعوت ”علیٰ منہاج النبوۃ“ نہ ہوگی۔ اسکے بعد ہمیں حینی علی الصلوۃ اور حینی علی الفلاح کے عمل کی دعوت دینی ہے، اذان میں روزہ کا ذکر نہیں ہے پھر بھی وہ



مکمل دعوت ہے، زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے پھر بھی اذان مکمل دعوت ہے، حج کا ذکر نہیں ہے پھر بھی وہ مکمل دعوت ہے، اس میں جہاد کا ذکر نہیں ہے پھر بھی وہ مکمل دعوت ہے، حتیٰ علی الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح کے بعد واپس پہلے کا مضمون لوٹ کر آتا ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

اس دور میں جتنی دعوتیں دنیا میں چل رہی ہیں، جن کے بارے میں ہم جانتے ہیں ان میں سب سے زیادہ ”اقرّب الی منہاج النبوة“ دعوت و تبلیغ کی محنت ہے، جتنی دعوتیں دنیا میں چل رہی ہیں، ان سب کے احترام کے ساتھ، پورے اخلاص، غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ ہم یہ سمجھتے ہیں، کہ دعوت و تبلیغ کی محنت سب سے زیادہ ”اقرّب الی منہاج النبوة“ ہے۔ اصل دعوت میں چونکہ سب سے زیادہ زور یقین پر دیا جاتا ہے، اور یہی زور اور تکرار دعوت و تبلیغ کی خصوصیت ہے۔ اس عاجز کے خیال میں یقین کی یہ دولت اس دور میں نسبت الیاسی رحمۃ اللہ علیہ اور نسبت یوسفی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے سینہ میں جذب کئے بغیر حاصل کرنا، عام لوگوں کے لئے بہت آسان نہیں ہے۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ اگر اصلی دعوت و تبلیغ کی محنت میں کوئی انسان لگا ہو، اور صحیح طور پر یہ مضمون، اپنے سینے میں جذب کر رہا ہو، تو اس کا دل یقین سے بھر جاتا ہے، کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو اللہ سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا فرض ہے، کہ پوری بصیرت اور انصاف کے ساتھ جو خیر جہاں پر ہے، وہاں سے لیں، اصلی دعوت و تبلیغ کے مفہوم میں ستر فیصد بیان یقین پر مشتمل ہوتا ہے، مجھ ناچیز کے خیال میں، یقین کا جو مضمون سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر کھولا گیا تھا، اور جو اس دور کی ضرورت تھی وہی رنگ و آہنگ ہم کو بلکہ ہمارے اکابر کو داعی کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے طرز دعوت میں نظر آتا ہے — یاد رکھیں کہ ویسے تو تمام مصلحین و مجددین یقین و ایمان سے بھرپور ہوتے ہیں، لیکن جس دور میں یقین کی پکار کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اُس دور کے داعی و مجدد کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات افعالی کا نزول زیادہ ہوتا ہے، اور اُس کے لطائف ثلاثہ (قلب، نفس، عقل) میں سے لطیفہ عقل کی فنائیت بھرپور ہوتی ہے، چنانچہ اس پر اسباب کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کی حقیقت بھرپور طور پر منکشف ہو جاتی ہے، اور اسی کی دعوت بے ساختہ اس کے دل و دماغ اور زبان پر چھا جاتی ہے — چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی کے آغاز سے جو دجالی فتنہ مغرب کے سیاسی، فکری اور تہذیبی غلبے کی شکل میں عالم اسلام پر چھانے لگا اور مسلمان ہر لحاظ سے پسپائی اور شکست خوردگی کے شکار ہونے لگے، اس دور کی خاص بیماری یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل و دماغ پر مایوسی اور بے بسی کا احساس چھانے لگا تھا، دل و دماغ بری طرح مرعوب اور ناامید ہونے لگے تھے۔ ہمارا



خیال، جو دراصل ہمارے ان بزرگوں کے زیر اثر بنا ہے جنہوں نے براہ راست یہ سارے مناظر دیکھے تھے، یہ ہے کہ اس دور میں اللہ نے مولانا الیاسؒ اور ان کے صاحبزادے و جانشین مولانا یوسفؒ کو جیسا یقین کامل دیا، اور اس یقین کامل کی دعوت کا جیسا بے پناہ جذبہ دیا، اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔۔۔ اللہ کا انتخاب ہے، کہ اللہ اپنی معرفت کے جس رنگ کے لئے جسے چاہے چُن لے۔

دیکھئے، صحابہ کرامؓ کے رنگ اور نسبتیں، الگ الگ تھیں یا نہیں؟ ہر جمعہ کے خطبہ میں کہتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، 'و اشدھم فی امر اللہ عمرؓ' تو اس کا مطلب کیا یہ ہے کہ، ابو بکرؓ اللہ کے احکام کے سلسلہ میں ڈھیلے تھے؟ 'و احیاء عثمانؓ' تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حیا کی صفت دوسرے صحابہ کے پاس نہیں تھی؟ نہیں، ہر گز نہیں، سب مقبولین ہیں، اور سب آسمان ہدایت کے نجوم و ستارے ہیں۔ ہمارے اس دور کے اکابر اہل علم میں بھی آپ رنگ اور نسبت کا فرق پائیں گے۔ حالانکہ سب کے سب اللہ کے مقبول بندے تھے، اور سب نے دین کی تجدید و احیاء امت کے سلسلے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ حضرت تھانویؒ نے بھی، حضرت مدنیؒ نے بھی، اور حضرت رائے پوریؒ اور حضرت مولانا الیاسؒ و حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے بھی،۔۔۔ ہم تو اس مزاج کے لوگ ہیں 'لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ' اور اس بات کا بھی ادراک رکھتے ہیں کہ الگ الگ رنگ ہیں، اور سارے ہی رنگ پیارے ہیں

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگرست

۱۹۲۰ء کے پہلے کی دہائی کی امت اور بعد کی دہائی کی امت میں، زمین و آسمان کا فرق ہے، جب تک خلافت عثمانی، قائم تھی، تب تک مسلمانوں کی ایک طاقت تھی۔ اس دور کے مسلمانوں کی نفسیات کچھ اور تھی، لیکن جب ۱۹۲۲ء میں خلافت ختم کر دی گئی، اچانک طوفان آگیا، مصطفیٰ کمال پاشا نے، یہودی سازش کا آلہ کار بنتے ہوئے، عثمانی خلافت کو ختم کیا، ترکوں کو عربوں سے لڑایا، عالم اسلام کے حصے بخرے کر دئے گئے، اور پوری دنیا کے مسلمانوں پر استعمار چھا گیا، مسلم دنیا میں کہیں برطانیہ، کہیں ہالینڈ اور کہیں فرانس کی فوجیں تھیں، وہ دور مسلمانوں کی پسپائی اور خوف و ہراس کا تھا، ہر طرف مایوسی اور اداسی کا عالم تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگا، ایسے دور میں، اللہ نے ایک چیختی چنگھاڑتی دعوت کو وجود بخشا، جس کا نعرہ تھا، کہ اسباب سے نہیں ہوتا، اللہ سے ہوتا ہے۔ اسباب کچھ بھی نہیں ہیں، اور اللہ سب کچھ ہیں۔ اللہ جو کر سکتا ہے، وہ ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں۔۔۔



اس حقیقت کو ہم نے بار بار دو عظیم شخصیتوں کی زبان سے سنا، ایک ہمارے والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، دوسرے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ان دونوں نے بہت قریب سے اور بہت گہرائی سے حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی شخصیتوں اور ان کے طرز دعوت کو دیکھا اور سمجھا تھا — مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب کے اطمینان کے لئے روایت بالمعنی کرنے کے بجائے انہی کے الفاظ میں ان کی گواہی آپ کے سامنے رکھ دی جائے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بارے میں لکھا تھا:

”ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف، طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی، جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرت کن فیکون، اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکام الہی اور نظام تشریحی کے سامنے نظام تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت .... اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لئے اس حواس و مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہنچ جاتے، اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترک اسباب اور تجربہ دور ہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے..... ۱

ایمان بالغیب اور اس کی غیر معمولی دعوت کے لحاظ سے حضرت مولانا یوسف صاحب کو جو مخصوص امتیازی مقام اور رنگ بارگاہ خداوندی سے ملا تھا، اس کے بارے میں ایک اور صاحب دل، صاحب نظر عالم و عارف کی گواہی سن لیجئے، یہ ہیں حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلیفہ اجل تھے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغی دعوت سے بھی گہرا تعلق عطا فرمایا تھا، وہ فرماتے ہیں:

”موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی ہے، ارتیاب و شک، مغیبات کا انکار، الہی حقائق اور نبوی معارف کا استخفاف ہے، ضرورت تھی کہ حکمت الہیہ اس دور کے ”قائد دعوت“



کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے، بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

صدیقیت کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت جی پر صفات الہیہ جس تفصیل و وضوح سے کھلی تھیں، اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیاء کا ملین اور محققین عارفین ہی کا حصہ ہے۔ ”توحید افعالی“ آپ کا مقام بن چکی تھی، اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، نتیجہ ہر غیر سے براءت اور خلّت کا وہ مقام تھا جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ نہیں کیا جاسکتا۔“ ۱۔

اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جب داعی کا یہ ”مقام“ اور یہ رنگ تھا تو پھر اس کی برپا کی ہوئی دعوت کا سب سے اہم نقطہ فطری طور پر ”ایمان بالغیب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و سنت پر کامل درجہ کا یقین“ ہی ہوگا، کیونکہ نبوی طرز کی دعوت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دعوت داعی کے اپنے اندرون کی ایک الہامی اور بے ساختہ پکار ہوتی ہے، خارجی حالات کے جائزے اور مطالعہ پر اور فکری قسم کے رجحانات پر اس کی بناء نہیں ہوتی۔ جب یہ ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو اس سلسلہ میں ایک گواہی خود حضرت مولانا یوسفؒ کی بھی پیش کر دیتا ہوں، جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آئے گی کہ جو دعوت علیٰ منہاج النبوة ہوتی ہے وہ کچھ ”کارکنوں کے مشورہ“ پر یا کچھ اہل فکر و دانش کی پیش کردہ تجویزوں پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے قلب پر مضمون دعوت کو کھول دیتے ہیں، اور وہ تنہا، مگر پورے اعتماد و یقین اور پورے انشراح قلب کے ساتھ اپنی پکار لگاتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک کارواں بنتا جاتا ہے، اور ایک جماعت بلکہ ایک امت وجود میں آتی ہے۔ لیکن اس دعوت کے پیچھے دراصل وہی اللہ کا منتخب بندہ ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو اس کی نسبت جتنی حاصل ہوتی ہے، اسی پر اس دعوت کا اصلی رنگ اسی قدر چڑھتا ہے دیکھئے اس راز پر سے کس طرح پردہ اٹھایا ہے خود ہمارے محبوب داعی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے، انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا:

”مبدأ فیض تو خدا کی ذات ہے، اور ضابطہ پائے فیض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صفات ہیں، لیکن کاغذ کے نقوش نے حقیقت تک پہنچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لئے محنت کر لینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے حق تعالیٰ شانہ اپنے



فیوض کے فیضان کے لئے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک و محنت کے لئے کھڑی کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی صفات کی حامل ہوتی ہیں، اور ذات باری تعالیٰ سے اکتسابِ فیوض اور ان کی رحمت و انعامات کے حصول کے لئے ان صفات کا اختیار کرنا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانوں میں دربار الہی و دربار رسالت سے انوارات و روحانیت کا فیضان ہو کر عام مخلوق کی فیض یابی کا ذریعہ بنتا ہے، ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی نسبت عالیہ، ایسے مبارک انسانوں کی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات و انوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر بندگانِ خداوند قدوس جل و علی مجدہ کے اللہ رب العزت کی طرح رجوع کا ذریعہ بن کر (اور) عمومی رحمت و انعامات کے دروازے کھلوانے کا ذریعہ بن کر اس عالی نسبت کی عظمت و وقعت و محبت کی طرف متوجہ کرتی ہے، تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہو کر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں — حضرت محمد ﷺ کی یہ نسبت عالیہ و عظیمہ روحانیہ و نورانیہ اپنے دونوں منظروں (انفرادی و اجتماعی) کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی۔ ۱۔

کیا خوبصورت بات ہے، جو بندہ خدا، بڑے بڑے اہل نظر کے نزدیک خود اللہ کے ان ہی برگزیدہ اور منتخب بندوں میں سے تھا، وہ خود، کسی اور مردِ خدا کے تناظر میں اس راز پر سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ دین کی محنت کی اصل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ ایسی ہستیوں کو کھڑا کرتے ہیں جو حضرت محمد ﷺ کی صفات کی حامل ہوتی ہیں، اور ایسے ہی انسانوں کو جو فیض ”دربار الہی اور دربار رسالت“ سے ملتا ہے دراصل وہ فیض ہی بقیہ مخلوق کی فیض یابی کا ذریعہ بنتا ہے — اور اس طرح اصل میں یہ سب ظہور ہوتا ہے خاتم النبیین ﷺ کے اس فیض کا، جو قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا جس طرح آپ کی وفات سے قبل جاری تھا۔ اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ ہمارے دور میں اجتماعی اور مادی تحریکوں کا جو طرز فکر آج کل اچھے اچھوں کے ذہن و دماغ پر شعوری یا غیر شعوری طور پر چھایا ہوا ہے، اس نے اس طرز فکر کو کس قدر اجنبی بنا دیا

۱۔ حضرت جی کی یہ تحریر الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوئی تھی، وہاں سے اسے حضرت مولانا اشرف خاں صاحب نے اپنے مضمون میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ حضرت جی صفحہ ۱۶۰-۶۱ (شائع شدہ الفرقان بک ڈپو بکھنؤ) کچھ جملوں کو خط کشیدہ ہم نے کیا ہے۔



ہے۔ آج کل تو اس طرز فکر کو خالص اہل تصوف کا طرز فکر قرار دیا جاتا ہے اور شاید اس ذوق و مزاج اور طرز فکر سے جتنا بعد آج کی مادی و سیاسی اجتماعی تحریکوں کے علم برداروں کو ہے اتنا ہی بعد خود دعوت و تبلیغ کے بہت سے اکابرین و اصاغرین کو ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے، یہ ہے ماحول کا اثر جو موسم کی طرح ہر ایک کو متاثر کر کے رہتا ہے۔ فَاَلِی اللہ المَشْتٰکِ

بات کہاں سے کہاں نکل گئی، اور اچھا ہی ہوا کہ کچھ بہت اہم باتیں اس وقت زبان پر آ گئیں جنہیں عام طور پر بیان نہیں کیا جاتا۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ تبلیغ و دعوت والی محنت ہمارے طالب علمانہ خیال میں اقرب الیٰ منہاج النبوة ہے، اس لئے کہ اس میں سب سے زیادہ زور یقین پر ہے، یقین کے بغیر کوئی انسان، دین کی خدمت نہیں کر سکتا، آج یقین کی یہی کمزوری ہے، کہ اچھے خاصے لوگ مدارس سے فارغ ہوتے ہیں، لیکن بہت کم لوگ اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگتے ہیں، کوئی کہاں جا کر پیسے کماتا ہے، اور کوئی کہاں جا کر پیسے کماتا ہے، گویا اس بات پر یقین ہی نہیں، کہ عزت و روزی دینے والا، تو اللہ ہے۔ دعوت و تبلیغ میں، دوسرا سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے، کہ کامیابی محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ ہی میں ہے۔۔۔ اس زمانہ میں انگریزی تہذیب سے مرعوبیت کا، جو عالم تھا، اس کا آج اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ میں لوگ ٹائلٹ کے اندر بھی، ہیٹ اور ٹائی لگا کے جاتے تھے، ہمارے لکھنؤ میں ایک صاحب، ضرب المثل تھے، وہ چاہے سخت گرمی ہو، چاہے سخت سردی ہو، لیکن ان کا شرٹ، پینٹ، ٹائی اور ان کی ہیٹ جوں کی توں رہتی تھی۔ لوگ انگریزی تہذیب سے اس قدر مرعوب تھے، کہ یہ کہتے پھرتے تھے، اب سب ختم ہو چکا ہے، اور اب تو بس کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کا دور ہے۔۔۔ ایسے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واشگاف دعوت، پوری دنیا میں چلائی، کہ حقیقی کامیابی غیروں کے طریقوں اور مشرق و مغرب کی نقل میں نہیں ہے، بلکہ کامیابی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقوں میں ہے۔ یہ کیا دعوت تھی؟ اللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ۔

وَالصَّلٰوةُ الْقَائِمَةُ دوسرا نمبر نماز ہے۔ اعمال میں سارا زور نماز پر ہے، نماز کو سیکھو، نماز کو بناؤ، بلکہ نماز والی محنت، یہ ایک ایسی تعبیر ہے، جو اردو ادب میں ایک اضافہ ہے، یاد رکھیں کہ تہذیبیں، تحریکیں، دعوتیں اور جو انقلابی رہنما اور مجتہدین ہوتے ہیں، جو گویا زمانہ کا ٹرننگ پوائنٹ بنتے ہیں، اور تاریخ کا ورق پلٹ دیتے ہیں، وہ نئی نئی تعبیرات بھی امت کو دیتے ہیں، نئے الفاظ دیتے ہیں، نئی اصطلاحات دیتے ہیں۔ جس



طرح تصوف کے ائمہ نے امت کو نئی اصطلاحات دیں، مقام تفویض، مقام توکل، مقام صبر، مقام رضا، مقام تسکین اور مقام تسلیم، یہ سب نئی تعبیرات ہیں، اور یہ ادب میں اضافے ہیں۔۔۔ اسی طرح حضرت مولانا الیاس صاحب اور حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بھی، امت کو کئی تعبیرات دی ہیں۔ نماز کی محنت، نماز والی محنت، نماز والی زندگی، پوری زندگی نماز کے طرز پر ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جی مولانا یوسف صاحب فرماتے تھے کہ نماز تو زندگی کا ایک مختصر عنوان ہے، جب نماز اچھی ہوگی تو پوری زندگی پر نماز کا اثر پڑے گا، یعنی جب کہا جائے گا چپ رہو، تو چپ ہو جاؤ گے، جب کہا جائے گا کہ بولو، تو وہی بولو گے جو بولنے کیلئے کہا جائے گا۔ جب کہا جائے گا ہاتھ باندھ لو، تو ہاتھ باندھ لو گے، اور جب کہا جائے گا کہ جھک جاؤ، تو جھک جاؤ گے۔ جب کہا جائے گا کہ کچھ مت کھاؤ، تو کچھ نہیں کھاؤ گے۔ جب کہا جائے گا کہ زمزم بھی نہ پیو، تو کہہ دو گے جی بہت اچھا۔۔۔ جب کہا جائے گا کہ گر جاؤ، تو گر جاؤ گے۔ نماز صرف ایک دس منٹ کا عمل نہیں ہے، بلکہ پوری زندگی کو ایک رنگ میں رنگنے کا طریقہ ہے۔ غرض ان کی جو تعبیرات تھیں، وہ لوگوں کو انوکھی لگتی تھیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرعون کو توڑنے کے لئے، موسیٰ علیہ السلام کو چنا، بلکہ مولانا یوسف صاحب کے الفاظ تو یہ ہوتے تھے، جب مکڑی کے جالے کو توڑنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چنا، تو ان سے کہا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمُوسَى، موسیٰ علیہ السلام نے کہا قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهْشُوا بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى، یہ میرا عصا ہے، اس سے میں سہارا لیتا ہوں، اور اپنی بکریوں کو چراتا ہوں، اور پتے بھی اس سے توڑ توڑ کر کھلاتا ہوں، اور اس عصا سے مجھے بہت سے فائدے پہنچتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا، اچھا تم کو عصا میں فائدے نظر آ رہے ہیں؟ أَلَيْسَ يَمُوسَى اے موسیٰ اسے پھینک دو۔ جب عصا سانپ بن گیا اور وہ نقصان دینے والی چیز دکھائی دینے لگا، تب اللہ نے کہا، اخْذْهَا وَلَا تَخَفْ، اسے پکڑ لو۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو یہ سکھانا چاہتے تھے، کہ نفع و نقصان عصا اور سانپ میں نہیں ہے، بلکہ نفع و نقصان میرے امر میں ہے، جب تربیت مکمل ہوگئی، تب اللہ نے انہیں یقین سے معمور کر کے، فرعون کے پاس بھیجا، اِذْهَبْ اِلَىٰ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ ظَغٰی، فرعون کی طرف روانہ ہو جاؤ، وہ سرکش ہو گیا ہے۔۔۔ الغرض جس طرح انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی انہوں نے تشریح کی ہے، اور ان سے جو تربیتی مضامین نکالے ہیں وہ انتہائی غیر معمولی اور لائق توجہ ہیں۔

ایک اشکال بہت سے ذہنوں میں ہے، کہ دعوت و تبلیغ، مکمل دین کی دعوت نہیں ہے، بلکہ خالی کلمہ و نماز کی دعوت ہے، باقی روزہ، زکوٰۃ اور حج، حقوق اللہ اور حقوق العباد، معاشرت و معاملات کا، اس میں ذکر



ہی نہیں ہے۔۔۔ ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ جب اذان میں بھی ان باتوں کا ذکر نہیں ہے، تو اذان کو مکمل دعوت کیسے قرار دیا گیا؟ دیکھئے، یہاں بہت بنیادی غلطی اشکال کرنے والوں سے ہو رہی ہے، مکمل دعوت اور مکمل دین میں فرق ہے۔ اذان مکمل دعوت ہے، لیکن مکمل دین نہیں ہے، مکمل دعوت کے عناصر وہی ہیں جو اذان میں موجود ہیں، البتہ یہ مکمل دین نہیں ہے، مکمل دین تو وہی ہے جس میں زندگی کے تمام شعبوں اور تمام انسانی حرکات و سکنات کے بارے میں ہدایات ہیں۔ ہم تبلیغ و دعوت کی محنت کو، بشرطیکہ وہ اپنے اصل مزاج کے مطابق ہو تو، مکمل دعوت مانتے ہیں، مکمل دین نہیں۔ اور ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ خود دعوت و تبلیغ کی طرف منسوب زیادہ تر لوگوں سے بھی ایک غلطی ہو رہی ہے، وہ یہ کہ دین کی محنت کو ہی دین سمجھ رہے ہیں، چنانچہ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی آج نظر آتی ہے جو دین و شریعت کے بہت سے شعبوں سے بالکل غافل ہیں، نہ معاملات کی صفائی کا اہتمام ہے اور نہ اخلاق اور معاشرت کا اور نہ نفس کے تزکیہ اور باطن کی اصلاح کا۔

مکمل دعوت کا مقصد یہ ہے کہ جب مکمل دعوت دی جائے گی، تو مکمل دین وجود میں آجائے گا، لیکن اس کے لئے مکمل دعوت دینے والوں کو اس کا شعور ہونا ضروری ہے، کہ مکمل دعوت یہ ہے، اور مکمل دین یہ ہے۔ کوئی شخص صرف اذان دے کر یہ سمجھے کہ میں دعوت دے رہا ہوں اور نماز نہ پڑھے، تو ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو انسان دعوت خوب دے، لیکن حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کرے، معاملات اور معاشرت میں جھوٹ بولے، فضول خرچی کرے اور غلط سلط کام کرے، یہ بالکل اس مؤذن کی طرح ہے، جو اذان دے اور نماز نہ پڑھے، اور کہے کہ مجھے تنخواہ صرف اذان کی دی جاتی ہے۔

الغرض غلطی دونوں طرف سے ہو رہی ہے، ایک غلطی ان لوگوں سے ہو رہی ہے، جو مکمل دعوت اور مکمل دین میں فرق نہیں کرتے، اور دعوت کی محنت میں معاشرت، معاملات اور اخلاقیات کا بہت زیادہ تذکرہ نہیں سنتے، تو کہتے ہیں کہ یہ ناقص دعوت ہے۔ دوسری غلطی ان لوگوں سے ہو رہی ہے، جو مکمل دعوت تو دے رہے ہیں، مگر خود مکمل دین پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بصیرت اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور بات کی تہ اور گہرائی میں پہنچنے کی استعداد

مرحمت فرمائے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ



# مضمون

## منتخب از حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ کی سوانح حیات

### تالیف

حضرت مولانا سید محمد زین العابدین  
مولانا انس احمد مظاہری

### نظر ثانی

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ



منتخب از حضرت مولانا محمد زبیر  
الحسن کاندھلویؒ کی سوانح حیات

# دعوت و تبلیغ

❖ اسلام میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت و فضیلت  
❖ تبلیغی جماعت کا آغاز، اس کے اُمراء و ذمہ داران، محنت کا  
طریقہ کار اور اعتراضات و اشکالات کا ایک اجمالی جائزہ



## اسلام ایک دعوتی دین:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ... الخ“ ہے  
 شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ جب کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ”قد جئتکم  
 بالسمحة البيضاء ليلها و نهارها سواء“۔ (سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب اتباع النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۲- قدیمی)۔ یعنی میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا  
 ہوں جس کے رات دن یکساں روشن ہیں۔

اس آیت مبارکہ اور اس کے بعد حدیث طیبہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین اسلام  
 ہی واحد ایسا دین ہے جس کو حق تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے تاقیامت جامع ترین نظام حیات  
 بنایا ہے۔ وہ ہر زمان و مکان میں ہر انسان کی دین و دنیا کی کامیابی کا ضامن ہے۔ وہ عبادات  
 و معاملات، اخلاق و سیاست اور حکومت و سلطنت کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ اس میں  
 عبادت و معاملات کے اجتماعی اور انفرادی مسائل، کلی اور شخصی معاشرت اور جرائم و جنگوں کے  
 قوانین غرضیکہ دین و دنیا کے تمام ہی مسائل کا حل اور بندوں کے سارے معاملات کا انتظام و  
 انصرام موجود ہے اور انسان کو جس چیز کی حاجت اور ضرورت ہے اُن سب کی تفصیل اس  
 کے دامن میں سمٹی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ساری قوموں اور سارے زمانوں  
 (حاضر و مستقبل) اور ان کے سارے معاملات کو محیط ہے، یعنی نزول قرآن سے لے کر  
 قیامت تک۔ اسی لیے یہ بات فرمائی گئی ہے ”لو کان موسیٰ حیاً لما وسعه الا  
 اتباعی“۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، الفصل الثانی، ج: ۱، ص: ۳۰- قدیمی)

’اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا‘۔  
 اور پھر اسلام ایک دعوتی دین ہے، جو سب کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ ایک  
 ایسے دین میں دعوت و تبلیغ کا فرائض کی فہرست میں سب سے اوپر ہونا بالکل فطری بات ہے۔  
 اسلام اکیلا ایسا دین ہے جو اپنی دعوت میں زمان و مکان سے ماورا، رنگ و نسل سے بلند اور  
 لسانی و اقلیمی حدود و قیود سے پوری طرح آزاد ہے۔ وہ ہر انسان کو اُس کے خالق و مالک کی  
 طرف بلاتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب، قدیم ہوں یا اس کے ہم عصر، یا تو غیر دعوتی ہیں یا پھر  
 ان کی دعوت نسلی، لسانی یا جغرافیائی حدود میں مقید ہے۔ بدھ ازم برہمنیت کی تعدیت اور ظلم



کے رد عمل میں پیدا ہونے والی ایک تحریک ہے جو ایک مستقل مذہب کے لیے ضروری عناصر سے خالی ہے اور رہی عیسائیت تو وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصریحات کے مطابق صرف بنو اسرائیل کے لئے تھی، جسے اُن کے متبعین نے اُن کی تعلیمات کے برخلاف عالمی بنانے کی کوشش کی ہے۔ صرف دین اسلام ہے جو عالمی و دائمی پیغام کا حامل ہے۔ اسی لیے اس کے لانے والے رسول ﷺ کو ”رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کا تاج اور ”لِّلْعَالَمِينَ نَذِيرًا“ کی قبائے زیبہ پہنا کر بھیجا گیا ہے اور اُنہیں بعثت کے بعد جو پہلا حکم دیا گیا ہے وہ دعوت و تبلیغ کا تھا۔ اے محبوب! ڈرنا شروع کیجئے ”قُمْ فَأَنْذِرْ“ (المذثر ۲) اور اپنے اعضاء کو ڈرائیے ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ (الشعراء ۲۱۴) اے رسول (ﷺ)! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ“ (المائدہ ۶۷) اپنے رب کی طرف دعوت دیجئے ”أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ“ (النحل ۱۲۵) فریضہ دعوت و تبلیغ، اس کی اہمیت اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں:

دعوت و تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا مطالبہ حسب استعداد و علم ہر ایک سے ہے ”أَلَا فليبلغ الشاهد الغائب“۔

(صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب خطبۃ ایام منی، ج: ۱، ص: ۲۳۴، قدیمی) اور جس کے پاس جو ہے اس سے اسی کی دعوت و تبلیغ مطلوب ہے ”بلغوا عني ولو آية“ (صحیح البخاری) دعوت و تبلیغ کی فرضیت پر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلامؓ کا اجماع ہے۔ البتہ فرضیت کی نوع کو لے کر اہل علم میں اختلاف ہے۔ کسی نے فرض عین مانا ہے تو کسی نے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ فرض کفایہ ماننے والے آیت کریمہ ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (آل عمران ۱۰۴) میں وارد کلمہ ”من“ کو تبعیضیہ مانتے ہوئے استدلال کرتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کا مطالبہ صرف مسلمانوں کے ایک گروہ سے ہے نہ کہ سب سے۔ بہت سے علماء مفسرین نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ اُس کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں جب کہ فرض عین ماننے والے ”من“ کو بیانیہ قرار دیتے ہیں، اُن کے نزدیک دعوت و تبلیغ اُمت کے ہر مکلف فرد سے مطلوب ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اُس کی تائید مذکورہ بالا دونوں احادیث سے



بھی ہوتی ہے، بلکہ خود اسی آیت کے آخری فقرے سے اُس کی توثیق ہوتی ہے جس میں الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کرنے والوں میں کامیابی کو محصور کیا گیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ دعوت و تبلیغ سبھی سے مطلوب ہے۔ ایک دوسری آیت میں صاف طور پر اُمت محمدیہ کی ”خیریت“ کو دعوت و تبلیغ کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“ (آل عمران ۱۱۰) علماء کی رائے میں اختلاف کا سبب نصوص کا ظاہری تعارض ہے۔ اور ان میں توفیق و جمع کی ایک صورت یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ دو سطحی ہے، یہ فرض عین بھی ہے اور کفائی بھی، چونکہ یہ حسب استطاعت و صلاحیت اُمت کے ہر فرد سے مطلوب ہے، لہذا اس حیثیت سے یہ فرض عین ہے اور اُمت کے اولی الامر افراد سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے ماہرین و مخلصین کی ایسی جماعت تیار کریں جو ہر اعتبار سے اعلیٰ ترین استعداد کی حامل ہو تو اس حیثیت سے یہ عمل فرض کفائی ہے۔

جیسا کہ اوپر گزرا کہ دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اُمت اسلامہ کا ایک اہم فریضہ ہے، اس فریضہ کی طرف یہ آیت مبارکہ انتہائی واضح تعلیم دے رہی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۱۱۰)

اس میں بتایا گیا ہے کہ اُمت اسلام دوسری اُمتوں کے لیے باہر لائی گئی ہے، اس اُمت مسلمہ کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُم عالم کی خدمت و راہنمائی کرے، اور اُن میں خیر کی دعوت اور معروف (نیک کاموں) کی اشاعت اور منکر (برے اور غیر شرعی عمل) کی ممانعت کرے اور اگر یہ اُمت اس فریضہ سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد سے غافل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُمت مسلمہ پر ہر زمانہ میں یہ فرض کفایہ ہے کہ ایک جماعت اُمت مسلمہ میں سے دعوت الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام میں مستقل مصروف عمل رہے، اور اگر تمام اہل اسلام نے اس فریضہ سے روگردانی و غفلت اختیار کی تو ساری اُمت گناہ گار ٹھہرے گی اور اگر کچھ جماعات نے اس فرض کو انجام دیا تو پوری اُمت کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں:



پوری اُمت کی صلاح و فلاح و ارشاد کے لیے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور اس کے تین (۳) فرائض قرار دیئے گئے۔

۱۔ پوری اُمت مسلمہ بلکہ ساری انسانیت کو خیر کی دعوت دینا۔

۲۔ منکر کی ممانعت و روک تھام کرنا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا۔

دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو اس بے پناہ فضیلت اور اجر و ثواب سے بھی سمجھا جاسکتا ہے، جو اُس کے لیے مقرر کیا گیا ہے، صرف ایک آدمی کی ہدایت سرخ اونٹوں (حمر النعم) (صحیح البخاری) بلکہ پورا نظام شمسی (مما طلعت علیہ الشمس) (المستدرک علی الصحیحین) ملنے سے بہتر ہے۔

دعوت و تبلیغ انسان کے فکر و سلوک میں ہمہ جہتی تغیر پیدا کرنے کا نام ہے۔ جس کے ذریعے دین اسلام ہر ایک کی زندگی میں آئے گا، اس کی حاجت ہر ایک کو ہے اور ہمیشہ ہے، مسلم ہو یا غیر مسلم، نیک ہو یا بد، لہذا دعوت و تبلیغ کا تعلق بھی سبھی سے ہے۔ ہماری پڑمردگی و مہجوری، پستی و مقہوری اور میدانِ حیات سے ہماری دوری کے جملہ اسباب میں ایک یہ بھی ہے کہ ہم اس جلیل القدر فریضے سے بیگانگی برت رہے ہیں۔ اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو وہ ہماری مدد فرمائے گا، یہ اس کا وعدہ ہے (إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ) (سورہ محمد ۷)

انبیاء علیہم السلام اور افرادِ امت نے ہر دور میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا:

تبلیغ دین اور اس کی اشاعت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ ہر ایک نبی نے اپنی قوم اور اہل علاقہ کو بڑی حکمت و دانائی اور پر مغز نصیحت اور بصیرت سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایا، چونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان، خاتم الانبیاء اور پوری کائنات کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ کی دعوت کا دائرہ کار بھی پوری کائنات کو بنایا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“ آپ فرما دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔



آپ ﷺ کے بعد اس دعوت الی اللہ کی محنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا، اُن کے بعد فقہاء، علماء، محدثین، مجاہدین، صوفیاء اور اہل اللہ ﷺ سب نے اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے انداز میں اس دین کی عالی محنت کو افرادِ امت تک پہنچایا۔ جب تک اور جس نسبت سے امت میں اس جماعت کے افراد رہے، یہ فریضہ پورا ہوتا رہا، اور حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت صحابہؓ، جماعت تابعینؓ، جماعت تبع تابعینؓ، کے بعد جب اس جماعت کے افراد گھٹ کر چند رہ گئے، پھر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کی حفاظت و صیانت اور حمایت و اشاعت و احیاء کے لیے علماء حق، علماء دیوبند کو منتخب کیا، جنہوں نے دینِ متین کے تمام شعبوں میں تجدیدی، ہمہ گیر، ہمہ نوع، فقید المثال اور عدیم النظیر خدمات و کارنامے انجام دیئے جن کا احاطہ و احصاء بلا مبالغہ ناممکن ہے۔

**دعوت و تبلیغ کے فضائل:**

جہاں تک دعوت و تبلیغ کی فضیلت کی بات ہے، تو عرض ہے کہ دعوت و تبلیغ ایک عظیم الشان کام ہے، بلکہ رسولانِ عظام علیہم السلام کے بھیجے جانے کا مقصد ہے، رسولانِ عظام علیہم السلام اس کام کے پیشوا ہیں، وہی حضرات دعوت و تبلیغ کے مشعلِ راہ ہیں، اور یہ اُن ہی کا پیشہ ہے، کیونکہ اللہ جل و علانے اُنہیں داعیانِ حق بنا کر بھیجا، اور اُنہیں مخلوق کا رہنما بنایا، دعوت و تبلیغ کی بلندی کے لئے یہی بات کافی ہے، اور اس کی قدر و منزلت کے لئے یہی بہت ہے کہ یہ رسولانِ عظام علیہم السلام اور قیامت تک اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا پیشہ ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ تمام رسولانِ عظام اسی عظیم الشان کام یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شیطان کی پرستش سے اجتناب کی طرف دعوت کی غرض سے مبعوث فرمائے گئے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ اسی لئے بھیجے گئے تاکہ لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں اور اس لئے کہ لوگ اسی کو عبادت کے ساتھ خاص رکھیں، ماسوا کی پرستش سے گریز کریں، لوگوں کو شیطان کی پرستش سے آزاد کرائیں، اور اُنہیں صرف ایک معبودِ برحق کی عبادت کی دعوت دیں۔

اللہ نے مزید بیان فرمادیا کہ ”اللہ نے اُنہیں خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا، وہ فرمانبرداروں کو فتح و کامیابی، تائید و حمایت اور جنت و عزت کی خوشخبری دیتے



حضرت مولانا محمد زبیر ان کا مدسویٰ کی جانب سے ڈراتے ہیں۔“

ہیں، اور نافرمانوں کو ناکامی، پشیمانی اور دوزخ سے ڈراتے ہیں۔“ اور اُن کے بھیجنے میں اتمامِ حجت، اور بہانے کا سد باب ہے، تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا تو آیا ہی نہیں، لہذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان رسولانِ عظام علیہم السلام کو مبعوث فرما کر اتمامِ حجت فرمادیا، بہانہ بازی کا راستہ بند فرمادیا، مخلوق کی رہنمائی فرمادی، حق کو بیان فرمادیا، بندوں کو اسبابِ نجات کی رہنمائی کر دی، اور اسبابِ ہلاکت کو روشن فرمادیا۔ اُن پر درود و سلام ہو۔ یقیناً وہ بہترین لوگ ہیں اور سب سے نیک تر مخلوق ہیں، اور لوگوں کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہیں، چنانچہ اللہ عز و جل نے فرمایا: آپ (علیہ السلام) کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور داعیِ حق بنا کر بھیجا، اس سے پتہ چلا کہ دعوت و تبلیغ کا کام، اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی رہنمائی کی ذمہ داری، اور اس کے منافی اور مخالف باتوں سے متنبہ کرنا ان کا مشن تھا، اسی طرح یہی شیوہ قیامت تک اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا ہے، وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، مقصدِ تخلیق کی طرف اُن کی رہنمائی کرتے ہیں، اور اسبابِ ہلاکت سے اُنہیں ڈراتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ اُن کا راستہ جس پر وہ گامزن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت و تبلیغ ہے، اسی طرح ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے بھی اسی کے پابند ہیں، مطلب یہ ہے اے محمد ﷺ!، اے ہمارے معزز رسول ﷺ! لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ یہی آپ کا اور آپ کے پیروکاروں کا راستہ ہے، اس سے پتہ چلا کہ پیغمبروں اور اُن کے پیروکاروں کا کام ہی اللہ کی طرف دعوت دینا ہے، اور وہی سوجھ بوجھ اور بصیرت والے لوگ ہیں۔

آپ ﷺ ہی لوگوں کے لئے نمونہ ہیں، اور یہ حکم ساری اُمت کو ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ شرع کی رو سے امر و نہی میں اُن کی اُمت اُن کے تابع ہے، سوائے ان چیزوں کے جن میں آپ ﷺ کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو، لہذا دعوت و تبلیغ کا کام سب پر فرض ہے، اور سب کی ذمہ داری ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ دعوت میں اپنے محبوب نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر چلیں، اور اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ لوگوں کی رہنمائی کریں، اور بندگانِ خدا کو اسبابِ نجات سے واقف کرائیں، اور اسبابِ ہلاکت سے اُنہیں بچائیں۔



قرآن کریم میں اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ ”وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ“ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے سے بڑھ کر اچھی گفتگو والا کوئی نہیں ہے، اس میں دعوت و تبلیغ کی شدید سے شدید تر غیب اور انتہائی درجے کی تاکید موجود ہے؛ کیونکہ داعی حق سے بہتر کلام والا کوئی نہیں ہے، تو ایک مومن کو چاہئے کہ اس مقام سے سرفرازی میں عجلت سے کام لے اور تاخیر نہ کرے، کیونکہ یہ تو رسولانِ عظام علیہم السلام کا مقام ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اُس کے دین کے رہبر ہیں، اور اُس پاک گروہ کے پیشوا، رہنما اور امام تو حضرت محمد ﷺ ہیں، اور یہی حضرات لوگوں میں سب سے اچھی گفتگو والے ہیں، یہی ائمہ دعوت و ہدایت ہیں، اور یہی اس آیت مبارکہ کے مصداق ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ اللہ کی طرف دعوت و ہدایت کے وہی اساس و نمونہ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر کی طرف روانہ فرمایا، تو اُن سے فرمایا کہ تم انہیں اسلام کی دعوت دو، اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر فرض ہیں، ان کے بارے میں انہیں بتلاؤ، اور اللہ کی قسم [یاد رکھو] کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کسی کو ہدایت دے دے، یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ یہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک متفق علیہ حدیث ہے۔

آپ ﷺ نے قسم کھائی اور اگر آپ قسم نہ بھی کھاتے تب بھی سچے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کسی ایک شخص کا بھی ہدایت یافتہ ہو جانا کئی سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، اس سے یہ بات کھل کر واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت ایک عظیم الشان کام ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے، اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ دعوت و جہاد کا مقصد لوگوں کو قتل کرنا اور ان کے مال کو لوٹنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اُن کی ہدایت اور اُن کو اُن کے باطل امور سے باہر نکالنا، اُنہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانا ہے، اور اُنہیں چاہِ ضلالت اور رذالت کی گندگیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی اور تقویٰ کی بلندی تک پہنچانا ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: اور اللہ کی قسم، تمہارے ذریعہ سے کسی ایک انسان کو ہدایت مل جائے، یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔

دعوت و تبلیغ کا عمل اس اُمت کو اس وجہ سے دیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی



کی طرف نکالا جائے اور دعوت کے سامنے راستہ کھولا جاسکے، اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اسلام کا بول بالا ہو سکے، اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہے کہ ایک انسان کی ہدایت بھی کئی سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محترم داعی! اے امیر دعوت! اگر کافروں میں سے ایک فرد بھی آپ کے ہاتھ پر ہدایت پاتا ہے تو اس میں بے پناہ بھلائی اور اس کی بڑی فضیلت ہے، بعض ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہے، کیونکہ دنیا تو فناء ہو جانے والی ہے، اور آخرت تو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، کیونکہ اس کی بھلائی اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ باقی رہے گی؛ لہذا دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہوئی، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں تم میں سے کسی کے کوڑے رکھنے بھر جگہ دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہوگی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ اونٹوں کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ سرخ اونٹ عربوں کے نفیس ترین اور بیش قیمت مالوں میں شامل تھا، اسی لئے اس کی مثال دی گئی، ورنہ مقصود تو یہی ہے کہ کسی ایک انسان کو ہدایت ملنا دنیا و مافیہا اور اس کی زائل و فانی ساز و سامان سے کئی درجے بہتر ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے نیکی کا راستہ بتایا اُس کے لئے بھی ایسا ہی اجر ہے جیسا اس پر عمل کرنے والے کے لئے ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ہے، اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کے لئے اس پر عمل کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ہے، درحقیقت یہ دعوت و تبلیغ کی بڑی فضیلت اور دعوت کے کام پر لگے لوگوں کے لئے بڑے شرف کی بات ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر ہدایت پانے والے لوگوں کے اجر و ثواب کے مانند ثواب سے انہیں نوازتا ہے، واہ! کیا ہی بھلائی ہے۔ واہ! کیا ہی فضیلت ہے، واہ! کیا ہی مقام ہے۔ اگر آپ اپنے اللہ کی طرف بلاتے ہیں، یا اپنے دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں یا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں، تو آپ اسی طرح کے ثواب سے بہرہ ور ہونگے جو اس دعوت کے ذریعہ عمل کرنے والا پائے گا، یقیناً یہ بڑی فضیلت کی بات ہے اور بہت امتیازی شان ہے، اس میں مبلغین کے لئے ترغیب و تاکید ہے کہ وہ دعوت میں



لگے رہیں اور اس پر صبر و تحمل سے کام لیں؛ کیونکہ انہیں تو ان لوگوں کی طرح ثواب مل رہا ہے جو ان کے ہاتھ پر ایمان لاتے ہیں، لہذا تمام مسلمانوں کے لئے مناسب (لازم) ہے کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں مستعدی سے کام کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور اس پر صبر کو لازم پکڑیں، اس میں ان کے لئے بڑی بھلائی اور فضیلت ہے، اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: جو کسی کو اچھے طریقہ کی طرف بلائے گا، تو اُسے اس طریقے پر چلنے والے تمام لوگوں کے ثوابوں کی طرح ثواب ملے گا، اور ہاں اس سے ان لوگوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور یہ تو بہت بڑی فضیلت کی بات ہے جو شخص نیکی کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا، تو اس کی پیروی کرنے والے سارے لوگوں کے ثواب کے برابر اُس کو ثواب ملے گا اور یہ اسی حدیث شریف کی طرح ہے جو پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ جس نے نیکی کا راستہ بتایا اس کے لئے ایسا ہی اجر و ثواب ہے جیسا اس پر عمل کرنے والے کے لئے ہے۔

ان احادیث مبارکہ اور ان کے ہم معنی احادیث میں دعوت و تبلیغ کی ترغیب و تاکید ہے اور اس کی فضیلت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کا اسلام میں بڑا مقام ہے اور یہ رسولانِ عظام علیہم السلام کا مشغلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو اپنے دین کا داعی اور اس پر عمل کرنے والوں کو خوشخبری دینے والا اور نافرمانوں کے لئے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے عمدہ طریقہ پر چلیں، اور ان کے روشن طریقے پر مسلسل گامزن رہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا کام کریں اور اُس کے دین کی خوشخبری عام کریں، اور اُس کی خلاف ورزی کرنے سے متنبہ کریں؛ کیونکہ یہ فضیلت تو اسی وقت حاصل ہوگی اور یہ بھلائی تو اسی وقت پروان چڑھے گی جب صبر سے کام لیں گے اور نیک نیتی کا سہارا لیں گے اور سچائی پر چلیں گے، اگر جذبہ صبر ماند پڑ جائے اور سچائی کمزور ہو جائے یا نیک نیتی ٹٹم جائے، تو اس عظیم الشان کام پر استقامت اور ثابت قدمی نہیں ہو سکتی ہے، اور کما حقہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہذا اس مشن میں اخلاص چاہئے، دکھاوا کرنے والا اس میں نہیں چل سکتا اور سختیوں کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتا ہے، اسے صبر کی ضرورت ہے، سستی اور کاہلی سے کام کرنے والا پوری پوری کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ہے، لہذا اس میں اخلاص، صبر اور سچائی بے حد ضروری ہے۔



۱۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی، غرض ایک علاقے سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کی، خواہ ایک بالشت ہی سفر کیا ہو۔ تو اس نے جنت اپنے لیے لازم کر لی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی بنے گا۔ (تنبیہ الغافلین)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے۔ اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے۔ اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ ورنہ تمہارے قلوب بھی اس طرح خلط ملط کر دیئے جائیں گے جس طرح اُن لوگوں کے کر دیئے گئے اور تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح اُن پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ (ابوداؤد)

۴۔ فرمایا اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت یا قوم باوجود قدرت کے اُس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو اُن پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس دعوتی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اطرافِ عالم میں پھیل گئے تھے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ، حضرت معاذ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی یمن کو روانہ کئے گئے تھے، اور یہ حضرات وہاں دعوت کا کام انجام دیتے رہے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واپس آئے تھے، اور حضرت علی اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما حجة الوداع میں واپس ہوئے تھے، پھر اُن کے جانشین حضرات نے وہاں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا اور اسلام کی اشاعت کا کام ہوتا رہا اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو عراق اور شام کے سفر پر نکلے اُنہوں نے وہاں دعوت اور اشاعتِ اسلام کا کام کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شام، عراق، یمن اور مصر اُس کے علاوہ افریقہ کے شمال و



مشرق میں دعوت، جہاد، تعلیم اور تربیت کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد پورے افریقہ اور روئے زمین کے مشرق و مغرب میں دعوتی کام چلتا رہا، یہاں تک کہ پیغام اسلام مشرق و مغرب کی آخری حدوں تک پہنچ گیا۔ اور ہنوز یہ محنت بفضلہ تعالیٰ جاری و ساری ہے۔  
دعوت و تبلیغ کے اسلوب:

دعوت و تبلیغ کے قرآنی اسلوب کے بعض اہم نکات یوں ہیں۔

(۱) قول حسن (بھلی بات) و قولو للناس حسنا (البقرہ ۳۸)

(۲) گفتگو و خطاب میں لینت و نرمی فقولا لہ قولنا لینا (طہ ۴۴) واضح رہے کہ اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جس مدعو سے نرم گفتگو کرنے کو کہا جا رہا ہے، وہ فرعون جیسا باغی و طاغی ہے جب کہ آج ہم کافر تو کجا مسلمانوں کو بھی اس کا مستحق نہیں سمجھتے۔

(۳) بصیرت و دانائی قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني (يوسف ۱۰۸)

(۴) حکیمانہ پیشکش

(۵) ناصحانہ انداز و لب و لہجہ

(۶) جدال حسن (بشرط ضرورت)

مؤخر الذکر تینوں نکات کی جامع یہ معروف آیت کریمہ ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلہم بالتی ہی احسن (النحل ۱۲۵)

(۷) تالیفِ قلب، اس میں قال و حال اور مال تینوں وسائل شامل ہیں۔

(۸) تیسیر و تبشیر، داعی کی پیشکش میں دین سہل اور آسان ہونا چاہئے، اس کا انداز ڈرانے والا، نفرت پیدا کرنے والا، یا مایوس کرنے والا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ مدعو کے لیے اُمید و خوشی کے دروازے وا کرنے والا ہونا چاہئے۔ داعی اعظم ﷺ کا فرمان ہے بعثتم ميسرين (کتب الصحاح) اور يسرو ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا۔ (صحیح بخاری)

دعوت و تبلیغ کا نبوی اسلوب:

یہاں مناسب ہوگا کہ دعوت و تبلیغ کے نبوی اسلوب کا ایک نمونہ پیش کر دیا جائے جو مذکورہ بالا بیشتر نکات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ



یا رسول اللہ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے، یہ سن کر لوگ اس پر چڑھ دوڑے اور اُسے ڈانٹنے اور خاموش کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے قریب کرو، تو وہ آپ کے قریب ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا: کیا یہ چیز اپنے ماں کے ساتھ پسند کرو گے؟ وہ بولا: ہرگز نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے، تو آپ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ پسند نہیں کرتے ہیں۔ بعد ازیں اللہ کے رسول ﷺ نے بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی کے حوالے سے یہی سوال کیا۔ اس نے ہر بار پہلے جیسا ہی جواب دیا اور ہر بار نبی رحمت ﷺ نے اسے یاد دلایا کہ سارے لوگ اے پسند نہیں کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اپنے دست مبارک کو اس کے سینہ پر رکھا اور اس کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف فرما، اس کے دل کو پاکیزگی عطا کر اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، اس کے بعد اسے زنا کا خیال بھی نہیں رہا۔“ (مسند احمد: ۲۱۷۰۸)

بعض روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس نو جوان کے لیے زنا سے زیادہ کوئی شے نفرت انگیز نہیں رہی۔ اس سلسلے میں مسجد میں پیشاب کرنے والے اعرابی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ہادیانہ اور داعیانہ سلوک کے واقعہ کو بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جس کی تخریج امام بخاری، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ ان واقعات میں ان حضرات کے لیے درس عبرت ہے جو مختلف فیہ مسائل کو لے کر لوگوں کو زجر و توبیخ اور تھلیل و تذلیل کو اپنے فرائض منصبی کا حصہ سمجھتے ہیں۔

### دعوت و تبلیغ کی محنت المعروف ”تبلیغی جماعت“:

پچھلی صدی کے پُر آشوب دور میں جب متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طرف شرک و بت پرستی سے فضا میں گھٹن تھی اور دوسری طرف برطانوی استعمار کی وجہ سے برصغیر کا باشندہ آزادی سے محروم غلامانہ کرب و اذیت سے کراہ رہا تھا، اس صورت حال سے مسلمان سب سے زیادہ متاثر تھے کہ اس خطے پر ایک ہزار سال تک حاکمیت کا دور گزارنے کے بعد شامت اعمال سے اب بدلیسی لوگ قابض ہو گئے تھے، بدلے ہوئے حالات میں انہیں ہر طرف سے سیاسی، مادی، تعلیمی اور نفسیاتی یلغار کا سامنا تھا اور ان سب عوامل کی وجہ سے اُن



کے لیے دین و ایمان اور اپنی روایات و اقدار کے تحفظ کی طرف سے شدید خطرات درپیش تھے، باشندگانِ ملک کی اکثریت نے حالات سے دل برداشتہ ہو کر استعماری طاقت کی پناہ میں عافیت سمجھی جب کہ ثروت اور وجاہت رکھنے والے لوگوں نے اپنے مرتبے اور زر و زمین کی خاطر بدیسی حکمرانوں کا ساتھ دیا اور مغربی کلچر اپنانے کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے لگے، جس نے جس قدر ”رنگ“ قبول کیا اُسی درجے نواز اگیا، ملکہ برطانیہ کی طرف سے شاہی خطابات تقسیم ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں الاٹ کی گئیں اور اہم و اہم ترین شخصیت کے اعزازات دے کر شاہی دربار تک رسائی کے علاوہ اُنچے عہدوں پر فائز کیا گیا، انگریز کی حکمتِ عملی نے ایک طرف اپنی عسکری بالادستی سے مسلم مزاحمت کو کچل دیا جب کہ دوسری طرف خطے کے بااثر لوگوں کو مختلف ترغیبات سے اپنے ساتھ ملا لیا اور اس طرح جنوبی ایشیاء کے اس بڑے خطے پر استعماری پنچہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ دو ڈھائی سو سال پہلے کے حالات کا تصور کر کے دل ہولنے لگتا ہے کہ اُس وقت کے مسلمان کرب و اذیت اور اضطراب و بے چینی کے کس ہولناک تلاطم سے گزر رہے ہوں گے اور فاتح انگریز کی سفاکی و درندگی سے مسلمانوں میں دہشت و خوف کا کیا عالم رہا ہوگا یہ وہ وقت تھا کہ جب شہروں کے چوراہوں پر پھانسی کے پھندوں میں بے بس مسلمانوں کی لاشیں تڑپتی تھیں اور اُن کے آباد گھروں سے دھوؤں کے مرغولے اُٹھتے تھے۔

اس طرح کے حالات میں دین کا نام لینا یا اُس کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا، لیکن اُس وحشت زدہ ماحول میں بھی ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کے لیے مولائے کریم کی محبت اور اُمت کی خیر خواہی سے سرشار مردانِ خدا مست مایوس نہیں ہوئے اور اپنے اپنے دائرہ کار میں مسلمان بھائیوں کو ارتدادی اور زلیغ و ضلال کی آندھیوں سے بچانے کے لیے نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے، گو مختلف زمانوں میں استعماری طاقت کے خلاف مسلح جدوجہد بھی ہوئی لیکن تکوینی حالات کی بنا پر اُس میں کامیابی نہیں ہو سکی اور بالآخر ان ربانی علماء نے بوریوں پر بیٹھ کر اور گوشہ نشین ہو کر حکمت و تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم و تزکیہ کا کام شروع کیا۔

برصغیر پاک و ہند میں قائم مدارس و مکاتب کا موجودہ نظام اُسی شجرہ طیبہ کی میوہ دار



حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ کی سوانح حیات  
شاخیں ہیں جو انتہائی نامساعد حالات اور کمپرسی کے عالم میں لگایا گیا تھا اور جس کی بدولت  
آج بحمد اللہ اس خطے میں اسلام، اسلامی تعلیمات اور تہذیبی و تاریخی اقدار و روایات کا تشخص  
قائم ہے۔

مرکز نظام الدین بھی دہلی ہندوستان میں آدم گری اور مردم سازی کی ایک ایسی مثالی  
تربیت گاہ تھی جس میں شریعت و طریقت کی روشنی میں اتباع سنت اور اُس کی اشاعت کی عملی  
مشق کرائی جاتی تھی۔

غرضیکہ اُس پر فتن دور میں علمائے ربانین نے ہر دینی شعبے میں کام شروع کیا، مدارس و  
مکاتب بھی قائم ہوئے اور خانقاہوں کی بھی بنیادیں رکھ دی گئیں جن کے ذریعے حق تعالیٰ نے  
دین اسلام کو محفوظ رکھا، اسی دور میں ایک مرد درویش، بزرگ عالم دین مولانا محمد الیاس  
کاندھلویؒ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی دینی حالت افسوس ناک حد تک ابتری کا شکار  
ہے، مسلمان اسلام کا نام تو جانتے ہیں مگر اُن کو کلمہ اسلام ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا  
صحیح تلفظ تک نہیں آتا، جب کہ مدارس و مکاتب اور خانقاہوں کی طرف تو وہی نیک نفوس توجہ  
کر رہے ہیں جن کے دل میں طلب ہے، لیکن بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کے لیے کوئی  
مؤثر شعبہ اور محنت نہیں، کیونکہ ان شعبوں سے وہی فیضیاب ہو سکتے ہیں جن میں پہلے سے دین  
کی طلب ہو۔ اور یہ طلب اسی دعوت والے طریقہ سے پیدا ہو سکتی ہے جو طریقہ اور راستہ انبیاء  
کرام علیہم السلام کا تھا اور جس پر چلتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس اور فرشتہ صفت جماعت  
پوری دنیا پر اسلام کو غالب کرنے میں کامیاب ہوئی اور پھر جب اس دعوت و تبلیغ سے عام  
فضاء دینی بنے گی تو لوگوں میں دین کی رغبت اور اس کی طلب پیدا ہوگی اور مسلمانوں کی  
عظمت رفتہ لوٹ آئے گی۔

لیکن یہ مسئلہ حل کیونکر ہو؟ اس کو سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتے تھے، کہ مسلمانوں کی  
عمومی اصلاح اور تربیت کے لئے کس طرح کام شروع کیا جائے؟ آپؐ نے اس مقصد کے  
لئے حرمین شریفین کا سفر کیا، مقامات مقدسہ میں نہایت عجز و انکسار اور خشوع و خضوع سے  
بارگاہ الہی میں عرض و معروض کیں، اس کے بعد آپؐ واپس ہندوستان آئے اور دعوت کا کام  
شروع کر دیا۔ اس کے لیے آپؐ کا معمول تھا کہ آپؐ شہر کے بازاروں، گاؤں، قصبوں اور



کھیتوں میں جاتے اور وہاں موجود مسلمانوں کو دین کی دعوت دیتے، انہیں مساجد اور تعلیم کے حلقوں سے جڑنے کی ترغیب دیتے تاکہ وہ اس طرح نماز، روزہ اور اسلام کے بنیادی مسائل سیکھیں اور اس کے بعد ان سے مطالبہ ہوتا کہ وہ ان بنیادی مسائل اور اسلامی آداب کو سیکھنے سکھانے کے لیے اپنے خرچ پر مہینہ میں تین دن، سال میں چالیس دن اور عمر بھر میں چار ماہ کے لیے اس راہ میں نکلیں اور ہر ایک کے لیے اصول بنادیا کہ اپنے خرچ پر نکلیں، سیاسی امور میں دخل اندازی سے دور رہیں اور اجتہادی، فروعی اور فقہی مسائل کو نہ چھیڑا جائے اور ہر شخص نے جو بھی فقہی مسلک اختیار کیا ہوا ہے اس پر عمل کرے یا اس مسلک پر جو اس ملک میں رائج ہو اور پوری توجہ اور اہتمام سے ایمان و یقین، نماز و روزہ، علم و ذکر کرے اور مسلمانوں کے اکرام اور ان کے حقوق کا اخلاص کے ساتھ خیال رکھے اور دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔

اس سلسلے میں جناب مولانا ابوالیث الحسنی کھلڑیادی، فاضل دارالعلوم دیوبند اپنے مضمون ”ہندوستان میں دین اسلام کی دو عظیم تحریکیں؛ دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ و دعوت“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ہر چند کہ مشرق اسلامی کے اس علاقے میں بھی، جو مطلع اسلام، مہبط وحی الہی، بعثت گاہِ نبی اعظم (ﷺ) سے دور افتادہ ہے، ماضی بعید سے ہی، اسلامی تعلیمات و احکامات پڑھنے، پڑھانے اور اسلامی تبلیغ و دعوت پھیلانے، اپنانے، آنکھوں سے لگانے، دل میں بسانے اور اس کی ہمہ گیر خدمتوں کا پر عزم حوصلہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے؛ چنانچہ دینی شعور اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کے تحفظ و بقاء کے لیے اس روئے زمین پر دو اہم اسلامی تحریکوں میں ”تبلیغ و دعوت“ اور ”دارالعلوم دیوبند“ بلا تعین رتبہ اسلامی دنیا کی عظیم تحریکیں ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی حقیقت و ضرورت:

وہ مقدس ہستیاں، جو لوگوں کو تاریکی سے نور کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، تنگی سے کشادگی کی طرف، ظلم و زیادتی سے عدل و انصاف اور حیوانیت و شیطانت سے ہٹا کر انسانیت و اعزازیت کی طرف نکالنے کے لیے پیدا کی گئی، ان



کا دعوتی مشن، فکری کڑھن اور اصلاحی لگن، وہی ہے، جس کو ہم آج دعوت و تبلیغ کے عنوان سے موسوم کرتے ہیں۔ یقیناً یہ دعوت و تبلیغ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طرہ امتیاز ہے، اور پھر انسانی، طبعی، عقلی اور شرعی جملہ حیثیتوں سے بھی یہ ضروری ہے کہ عام خلأق کی صلاح و فلاح اور اس کی دنیوی و اخروی بہبودی کے لیے فکر کی جائے اور اس بہبودی و ہمدردی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس میں کسی جاہ طلبی اور عہدہ مقصود نہ ہو، تو اس میں اسی قدر نفع عام ہوگا، خیریت و ہدایت بڑھے گی اور نہ جانے کس قدر پروردگار عالم کے یہاں انعام و اکرام میں اضافہ ہوگا۔

وہ تبلیغ و دعوت، جو برسوں سے پڑمردہ ہوگئی تھی، اسے اللہ نے صدر مدرس دارالعلوم دیوبند شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہی کے ایک شاگرد مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی محنت و کوشش کے نتیجے میں دوبارہ زندہ کیا، جو تقریباً تیرہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے۔

(ص: ۳، دارالعلوم دیوبند کے ماضی و حال سے متعلق کچھ ضروری باتیں و ص: ۴۲ علمائے دیوبند کون اور کیا ہیں؟)

### تبلیغ و دعوت اور اس کی نشوونما:

دعوت و تبلیغ کے متعلق خطیب العصر علامہ عبدالشکور صاحب دین پوریؒ نے یہ فرمایا: الیاس کی محنت ہے کہ جو لوگ فرض نہیں پڑھتے تھے آج ان کی تہجد قضا نہیں ہوتی، جن لوگوں کی نگاہیں غلط تھیں ان کی ادائیں بھی بدل گئیں، جن کی فضائیں ابر آلود تھیں آج روشن و تابناکی کی آسمان میں بدل گئیں۔ (ص: ۱۱۳، خطبات دین پوری)

ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں انسانوں نے اس مشرب سے سیرابی حاصل کی ہے اور کر رہے ہیں، اس جدوجہد کی برکت سے جو راہ راست سے دور تھے، جنہیں کلمہ تک یاد نہیں تھا، جو قرآن کی عبارتوں، حدیث کے ترجموں اور دین کی تعلیمات سے بے بہرہ تھے، آج جب وہ اس دعوتی تحریک سے جڑ گئے تو ان تعلیمات و احکامات کی حصول یابی کے بعد دوسروں تک بھی اسے منتقل کرنے کی فکر میں لگ گئے اور لگے ہی رہے، بالفاظ دیگر اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت و احکامات کو پہنچانے میں تن من دھن کی بازی لگا رہے ہیں اور لگاتے رہیں گے، یہاں تک کہ نبی



ﷺ کا یہ فرمان صادق آجائے: (عن المقداد انه) يقول لا يبقی علی ظہر الارض بیت حدرٍ او وبرٍ الا ادخله اللہ کلمۃ الاسلام یعنی اللہ کے نبی کا یہ دین ہر پکے اور کچے گھر میں داخل ہو جائے۔ (ص: ۱۶، مشکوٰۃ شریف)

چنانچہ آج اس کا خوب خوب مشاہدہ ہو رہا ہے، مولانا محمد الیاس صاحب نے یہ جماعت جو تیار کی ہے، اگر یہ اسی طرح ملک ملک، دیہات دیہات، شہر شہر، محلہ محلہ پھرتی رہی تو ان شاء اللہ ہر گھر مسلمانوں، نمازیوں اور دین داروں سے بھر جائے گا، اللہ اللہ کی پکار، اسلام ہی اسلام کی صدا پوری دنیا میں گونجے گی۔

دارالعلوم دیوبند میں تبلیغی جماعت کی محنت:

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے کہ ماشاء اللہ طلباء کے ساتھ بعض اساتذہ بھی ہر ہفتہ اللہ کے دین کی نشر و اشاعت کے لیے قریہ قریہ پھرتے ہیں؛ بلکہ طلباء چھٹیوں اور رمضان کے موقع پر چلہ اور فارغ ہونے کے بعد ایک سال لگاتے ہیں، جس سے ان کے اندر دینی و عملی انقلاب آجاتا ہے؛ بلکہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو صراط مستقیم کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کی دعوت، جدوجہد اور قول و عمل کا سب سے بڑا محرک رضائے الہی پیدا ہو جائے، کوئی چیز اللہ کی رضا کے سوا ان کے سامنے نہیں ہوتی کہ یہ ملے یا وہ ملے۔

(ماخوذ از کتاب ”دین کا نبوی مزاج اور اس کی حفاظت کی ضرورت“)

بلکہ وہ صحیح معنوں میں خلوص وللہیت کا پیکر بن کر احکام خداوندی اور تعلیمات نبوی کو عام کرتے ہیں، ہدایت سے بے بہرہ لوگوں کو آبِ ہدایت سے سیراب کرتے ہیں، ان کی زندگی کے نوک و پلک درست کرنے میں دل و جان سے کوشش کرتے ہیں اور اخلاص و استقلال، توکل و اعتماد اور زہد و تقویٰ کے ساتھ ہر غریب و امیر، چھوٹے، بڑے اور دین سے بے خبر ان پڑھ لوگوں کو ایمان و ہدایت کی دعوت پیش کرتے ہیں، اپنی دعا و تسبیح اور محنت و کوشش کے ذریعہ ان کی زندگی کو اطاعت و سنت سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔

اگر ان کی زندگی کا قریب سے جائزہ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ لوگ



حضرت مولانا محمد الیاس کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والدین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں، وہ اس منظر کی تاریخ

دوہراتے ہیں۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

دعوت و تبلیغ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ:

آج جس تبلیغی تحریک کی سارے عالم میں صدائے بازگشت ہے اُس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مایہ ناز شاگردانِ ذی وقار میں سے ایک شاگردِ رشید ہیں، جن کے مجاہدوں، ریاضتوں اور روحانیت و اخلاص سے اس تحریک کی ابتداء ہوئی۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نجیب الطرفین بزرگ تھے۔ اُن کا گھرانہ اُن خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت و محبوبیت سے خوب نوازا تھا۔ اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق و اخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے نسل در نسل اس خاندان میں علماء و فضلاء، اہل کمال، مقبولین اور اللہ والے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ جہاں اس خاندان کے مردوں میں جذبہ دعوت، تقویٰ و نیکی، دین کی اشاعت و ترویج کا عام رواج تھا، وہاں اُن کی عورتیں بھی دین داری، عبادت گزاری، شب بیداری اور ذکر و تلاوت میں پیچھے نہ تھیں بلکہ اس خاندان کی عورتوں میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر اور احادیث کے مطالعہ کی عام عادت تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی، آپ کا بچپن اپنے تنہیال کاندھلہ اور اپنے والد صاحب کے پاس نظام الدین میں گزرا۔

مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے والد حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرقد کے قریب ایک عمارت میں رہا کرتے تھے، اس کے متصل ہی چھوٹی سی مسجد تھی جس کو بنگلہ والی مسجد کہا جاتا تھا، آپ کا قدیم آبائی علاقہ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر تھا۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت مفتی الہی بخش کاندھلویؒ کے ہاں عقدِ ثانی کر لیا تھا اس وجہ سے کاندھلہ بھی وطن کی طرح ہو گیا تھا آپ کے والد مولانا اسماعیل کاندھلویؒ



ولی کامل اور والدہ محترمہ بھی ”رابعہ سیرت“ خاتون تھیں، جنہوں نے آپ کی پرورش و تربیت میں کوئی کمی نہ چھوڑی، خاندان کے دوسرے بچوں کی طرح آپ کے والدین نے آپ کو مکتب کی ابتدائی تعلیم دلوائی اور قرآن کریم حفظ کروایا، چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید اور دینی علوم کی تعلیم احسن طریقہ سے امتیازی شان اور نمایاں انداز میں مکمل کر لی تھی، نیکی و تقویٰ کی صفات بچپن میں ہی آپ کے اندر نمایاں اور خاندان میں آپ کی شہرت ولی کامل کی تھی۔

۱۳۱۴ھ میں آپ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ (والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی) کے پاس گنگوہ آگئے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ میں مقیم تھے اور بڑے بھائی سے پڑھنا شروع کیا اور حضرت گنگوہیؒ کی صحبت و مجالس کی دولت شب و روز حاصل رہی۔ ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ دنیا سے رحلت فرما گئے اور اس طرح حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا تقریباً آٹھ برس کا عرصہ حضرت گنگوہیؒ کی صحبت میں گزرا، حضرت گنگوہیؒ بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، لیکن آپ کو بیعت کر لیا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ذکر کرتے ہوئے میرے دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے حضرت گنگوہیؒ یہ سن کر متفکر ہوئے اور فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی بیعت سے اس قسم کی شکایت کی تھی تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی بیعت نے جواب فرمایا تھا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ سے کام لیں گے“۔

۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کے لئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے، بخاری شریف اور ترمذی شریف کی سماعت کی، چونکہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات ہو چکی تھی، لہذا حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ اور اجازت پر مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے تعلق قائم کیا اور ان کی نگرانی میں منازل سلوک طے کئے۔

چنانچہ ایک طرف آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جیسے مجاہد عالم دین سے علوم قرآن و حدیث کی تکمیل کی، تو دوسری طرف آپ نے اپنے وقت کے قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے تصوف و سلوک کی منازل تیزی سے



طے کیے اور اس کی تکمیل شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کے زیر نگرانی کی گئی اور اس کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ یوں آپ جامع شریعت و طریقت ہو گئے۔ اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ یوں آپ جامع شریعت و طریقت ہو گئے۔

۱۳۲۸ھ میں آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تدریس شروع کی، لیکن ۳۴ھ میں بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ اور دو سال بعد دوسرے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد کاندھلویؒ جو نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد میں قائم مدرسہ کے ذمہ دار تھے، کے انتقال کے بعد اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کی اجازت اور مشورہ سے نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں قائم مدرسہ میں منتقل ہو گئے اور یہاں تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی، اس مدرسہ میں زیادہ تر علاقہ میوات کے رہائشی بچے پڑھتے تھے۔

نظام الدین مدرسہ کی ابتدائی تاریخ:

اس مدرسہ کی تاریخ آغاز یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ تلاش و فکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا نظر آئے تو اُس کو مسجد میں لے آئیں اور اُس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیں، چند مسلمان نظر آئے، اُن سے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ اُنہوں نے کہا: مزدوری کے لیے! کہا: کیا مزدوری ملے گی؟ اُنہوں نے مزدوری بتائی، فرمایا: اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اُنہوں نے منظور کر لیا، آپ اُن کو مسجد لے آئے اور نماز سکھانا اور قرآن پڑھانا شروع کیا، یومیہ مزدوری اُن کو دے دیتے اور پڑھنے اور سیکھنے میں مشغول رکھتے، اس کے بعد نماز کی عادت پڑ گئی اور یومیہ مزدوری چھوٹ گئی، یہ نظام الدین مدرسہ کی بنیاد اور ابتداء تھی، اس کے بعد دس، بارہ میواتی طالب علم برابر مدرسہ میں رہے۔ اور آج الحمد للہ وہاں دورہ حدیث تک پڑھائی ہوتی ہے، گزشتہ کئی سالوں سے وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زبیر احسن کاندھلویؒ (جن کے تذکرے کے لیے یہ کتاب تیار کی جا رہی ہے) تھے جواب ہم سے رخصت ہو گئے۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

میوات میں تعلیم و اصلاح کی ابتداء:

میوات دہلی کے جنوب کا ایک علاقہ ہے، مسلمان ہونے کے باوجود یہاں باشندوں کی دینی حالت یہ تھی، جس کے جاننے کے لیے مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا یہ جملہ کافی ہے:



”وہ جماعت جس کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے رکھی تھی اس دور میں اور اس علاقہ میں جس کو اگر میں نبی کریم ﷺ کے بعثت کے زمانہ سے پہلے کے ساتھ تشبیہ دے دوں تو بے جا نہ ہوگا۔“ نظام الدین میں منتقلی کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کو اُن کی دینی حالت کی اصلاح کی فکر لاحق ہوئی، حضرت مولاناؒ کے والد اور اُن کے بھائیوں نے اُن کی دینی اصلاح کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُن کے بچوں کو نظام الدین کے مدرسہ میں تعلیم دے کر میوات میں اصلاح و ارشاد کے لئے بھیج دیتے تھے، لیکن حضرت مولاناؒ نے ایک قدم آگے بڑھانا چاہا کہ خود میوات کے اندر دینی مکاتب و مدارس قائم کئے جائیں، چنانچہ لوگوں کی بڑی جدوجہد سے وہاں ایک مکتب قائم ہوا اور پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بڑھتا گیا اور سو سے زائد مکاتب قائم ہوئے، اُن کے اخراجات کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے اُوپر رکھی تھی۔

میوات میں طلب دین کی عمومی تحریک:

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ لوگوں میں عمومی جہالت کو دیکھ کر صرف ان مکاتب کے وجود سے مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ ساری قوم کو ان مکاتب اور مدارس کے ذریعہ دین کی ضروری تعلیم اور تربیت نہیں دی جاسکتی تھی اور نہ ہی سب اپنے مشاغل زندگی اور وسائل معاش چھوڑ کر اُن مدارس کے طالب علم بن سکتے تھے، اس وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کو عمومی اصلاح کے لیے عمومی تحریک کی فکر لاحق ہوئی۔

۱۳۴۴ھ میں آپ اپنے شیخ و مرشد اور مربی حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کے ہمراہ سفر حج پر گئے اور مشاعر حج اور حریم شریفین کے مقدس مقامات پر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہے کہ اے اللہ! میرے لیے عام مسلمانوں میں دعوت کا راستہ کھول دے، اللہ نے دعا قبول کی اور اس کام کے لیے اُن کا سینہ کھول دیا۔

تبلیغی محنت کی ابتداء:

حج سے واپسی پر حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی دین کے لیے ٹپ و بے چینی اور درد و بے قراری دیکھنے میں نہیں آتی تھی، مسلمانوں کی دین سے دوری پر آپ انتہائی غمگین و پریشان اور اس فکر میں ڈوبے رہتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر کسی طرح



دین دوبارہ زندہ ہو جائے۔ بسا اوقات اسی فکر میں آپ ”ماہی بے آب“ کی طرح تڑپتے، آپ بھرتے اور فرماتے تھے ”میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا ہی نہیں“۔ کبھی دین کے اس درد و فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور جب بے چینی بڑھتی تو راتوں کو فکر سے اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ ایک رات اہلیہ محترمہ نے پوچھا کہ ”کیا بات ہے نیند نہیں آتی؟ کئی راتوں سے میں آپ کی یہی حالت دیکھ رہی ہوں۔“ جواب میں آپ نے فرمایا کہ! ”کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں“۔ اور صرف ایک آپ کی اہلیہ محترمہ ہی نہیں بلکہ آپ کے سوز و درد کا اندازہ ہر وہ شخص آسانی کے ساتھ لگا سکتا تھا جو آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور باتیں سنتا تھا، آپ کا بس نہیں چلتا تھا کہ سب لوگوں کے دلوں میں وہی آگ پھونک دیں جس میں وہ عرصہ سے جل رہے تھے۔ سب اس غم میں تڑپنے لگیں جس میں وہ خود تڑپ رہے تھے، سب میں وہی سوز و گداز پیدا ہو جائے جس کی لطیف لمس سے آپ کی روح جھوم اٹھتی تھی، جب ایک جاننے والے نے خط کے ذریعہ آپ سے خیریت دریافت کی تو آپ نے سوز و درد میں ڈوبے ہوئے قلم کے ساتھ جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ”طبیعت میں سوائے تبلیغی درد کے اور خیریت ہے۔“

اور پھر مولانا محمد الیاس خود سراپا دعوت بن گئے، ”دعوت و تبلیغ“ والے کام کو لے کر بڑی دل سوزی کے ساتھ دیوانہ وار ”میوات“ کے ہر علاقہ میں پھرے ہر ایک کے دامن کو تھاما، ایک ایک گھر کے دروازہ پر دستک دی، کئی کئی وقت فاقے کیے، گرمی و سردی سے بے پرواہ ہو کر تبلیغی گشت کیے۔ اور جب لوگوں نے آپ کی حسب خواہش آپ کی آواز پر ”لبیک“ نہ کہا تو آپ بے چین و بے قرار ہو کر راتوں کو خدا کے حضور روتے گڑ گڑاتے اور پوری امت کی اصلاح کے لیے دعا کرتے۔ اور پھر اپنی ہمت و طاقت، مال و دولت سب کچھ ان میواتیوں پر اور ان کے ذریعہ اس تبلیغی کام پر لگا دیا۔ اس دوران اپنے رفقاء اور ساتھیوں کو ایک خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ! تم غور کرو، دنیائے فانی میں کام کے لیے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے صرف ایک آدمی کو کہا جائے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹایا، یا نہیں گھٹایا؟۔

حضرت مولانا محمد الیاس کا ندھلوی اپنے ایک مکتوب میں میواتی حضرات کو تحریر فرماتے



ہیں کہ ”میں اپنی قوت و ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو قربان کر دوں کوئی اور پونجی نہیں ہے۔“

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ میواتی حضرات نے اپنے جان و مال اور زندگیوں کو اس کام پر قربان کر دیا۔۔۔ اور پھر ایک ایک گھر سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد دین کے کام کے لیے باہر نکلنے لگے۔۔۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ ابتداء میں یہی میواتی لوگ جن کو اپنے گھر اور گاؤں سے نکلنا مشکل تھا اب وہ مولانا محمد الیاس کا ندھلویؒ کی محنت سے اس دعوت و تبلیغ کی فکر لے کر ملک ملک، شہر شہر دین کی خاطر پھرنے لگے۔۔۔

حضرت مولانا محمد الیاس کی یہ عالمگیر ”احیائے اسلام کی تحریک“ جسے ظاہر میں لوگ صرف کلمہ و نماز کی تحریک کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ کوئی معمولی کام اور تحریک نہیں، بلکہ یہ پورے دین کے عملی نفاذ کی تحریک ہے۔۔۔ اس تحریک اور جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ خود اپنی اس تحریک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”میرا مدعا کوئی پاتا نہیں“ لوگ سمجھتے ہیں یہ ”تحریکِ صلوٰۃ“ ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریکِ صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ ہماری محنت کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ کا لایا ہوا دین پورا کا پورا سکھا دیں یہ تو ہماری تحریک کا مقصد، رہی تبلیغی قافلوں کی چلت پھرت، تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت ہے۔ ہماری تبلیغی تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اس راستہ سے مقصد کی دعوت کو پیدا کرتے ہوئے اور اکرامِ مسلم کے اصول کو رواج دے کر پوری قوم کو اس حدیث کے مصداق بنایا جائے۔

ترجمہ: ”تمام مسلمان ایک جسم و جان کی مانند ہیں“۔ اور ہمارے تبلیغی کام میں اخلاص، صدقِ دل کے ساتھ اجتماعیت اور مل جل کر باہمی مشورے کے ساتھ کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے....“

غرض حضرت مولاناؒ کی تبلیغی محنت و جدوجہد اور مشقت و قربانی سے اور دین کے لیے ایک ایک کے پیچھے پھرنے، منتیں کرنے، سخت سست جملوں کو سہنے، حتیٰ کہ ماریں کھانا اور ان سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا رنگ لایا، لوگ مسجد میں آئے، آپ نے بنیادی دین



سکھایا، نماز کی پابندی کرائی، دوسروں کو دعوت دینے کا طریقہ سکھایا اور دعوت دینے کے لیے تیار کیا، پھر دینی اجتماعات منعقد کئے اور لوگوں سے جماعتوں کا مطالبہ کیا، چنانچہ جماعتیں تیار ہوئیں اور مختلف علاقوں میں دین کی بنیادی چیز کلمہ اور نماز کی دعوت دینے لگیں اور اس محنت میں لوگوں کو اپنے ساتھ جوڑتی رہیں، عرصے تک میوات میں اس طرز پر کام چلتا رہا، رفتہ رفتہ میوات کی فضا بدلنے لگی اور دین پر عمل اور اُس کے لیے قربانی دینے کے اعتبار سے اُن میں پختگی آگئی اور وہ اس کام کے لیے دوسرے مقامات میں بھی وقت دینے کے لیے تیار ہو گئے، چنانچہ اُنہوں نے دوسرے شہروں کا ندھلہ، رائے پور، مظفر نگر، سہارن پور اور دہلی وغیرہ کی طرف رخ کر کے یہاں بھی اجتماعات منعقد کئے اور ہر طبقہ میں دین کی دعوت دی، ان اجتماعات کو اکابر اہل علم حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی اور دوسرے بڑے حضرات کی سرپرستی حاصل رہی۔

ان دوسرے شہروں میں محنت کے نتیجے میں مختلف طبقوں کے لوگ دین سے وابستہ ہو گئے، خصوصاً دہلی کے تاجروں نے دین داری میں بہت ترقی کی اور اُن کی زندگی، معاشرت اور اخلاق میں تغیر ظاہر ہونے لگا، زندگی میں تبدیلی آنے لگی اور دینی طور طریقے واضح ہونے شروع ہوئے، حتیٰ کہ بعض وہ تجار جو داڑھی رکھنے والے شخص کو اپنی دکان میں ملازم رکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور نمازی آدمی کی ملازمت کو اپنے کاروبار میں حرج سمجھتے تھے، اُنہوں نے خود داڑھیاں رکھیں اور عین کاروباری مشغولیت کے وقت دکان کو چھوڑ کر نماز اور تبلیغی اعمال میں شریک ہونے لگے۔

باہر کی دنیا میں اس کام کا فیض:

جو تاجر حضرات دین سے وابستہ ہو گئے تھے، وہ جب دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تو وہاں بھی وہ اپنا مشن جاری رکھتے اور لوگوں کو اس دینی محنت سے متعارف کراتے، اسی طرح مولانا سفر حرمین میں دوسرے ممالک سے آئے ہوئے مسلمانوں کو اس عمومی دعوت کے طریقہ کار اور اُس کے اچھے نتائج سے متعارف کرا کے اس کام کو اُن کے



ممالک میں شروع کرنے کی ترغیب دیتے، جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ باہر کی دنیا میں اس محنت کا فیض پہنچ گیا اور وہاں سے ہندوستان میں جماعتیں آنا شروع ہو گئیں اور حضرت مولانا کی زندگی میں ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں بھی دعوت دی گئی۔ بالآخر ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی طبیعت خراب ہونے لگی اور ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو انتقال فرما گئے۔

نامور عالم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تعزیتی شذرہ میں رقمطراز ہیں:

”افسوس ہے کہ ۲۱/رجب ۱۳۶۳ھ کی صبح کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم بستی نظام الدین دہلی نے چند ماہ کی علالت کے بعد بستی نظام الدین دہلی میں انتقال فرمایا، وہ اس عہد میں اُن نفوسِ قدسیہ کی مثال تھے جن کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کا چراغ روشن ہوا، اُن کا وجود اس دعویٰ کی کہ ہندوستان میں اسلام بادشاہوں کے تیغ و خنجر کے سایہ میں نہیں بلکہ بے نوافقیروں کے فیوض و برکات کے زیرِ سایہ بڑھا اور پھلا پھولا ہے، سب سے زیادہ تازہ دلیل ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر اپنی رحمت کے پھول برسائے۔

پایہ تخت دہلی کے ارد گرد ہزاروں میواتی جن کی تعداد کم و بیش پچاس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے، سینکڑوں برس کے شاہانہ جاہ و جلال اور رعب و ہیبت کے باوجود ایسے ہی نو مسلم تھے جو اسلام کے بجائے بت پرستی سے زیادہ قریب تھے اور محض ۱۹۰۰ء سے لے کر پھیلے آریہ فتنے تک اُن کے ارتداد کا خطرہ ہمیشہ مسلمانوں کو دامن گیر رہتا تھا۔

حضرت مولانا نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول و دعوت کے ذریعہ پچیس برس کی انتھک محنت میں اُن کو خالص و مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا، جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا ہے۔

مولانا نے اپنے بھائی کی جگہ بستی نظام الدین میں متوکلانہ اقامت شروع کی، ابتداء میں اُن کو بڑی تکلیفوں کا سامنا ہوا، مگر اُن کے پائے استقامت کو لغزش نہیں ہوئی، آخر اللہ تعالیٰ نے اُن کے کاموں میں برکت دی اور اُن کو مسلمانوں میں حسن قبول عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اُنہوں نے مکتب کو ترقی دی، جو وہاں پہلے سے قائم تھا اور اُس کو مدرسہ کی سطح پر لے آئے، شروع سے اُن میں علمی کے بجائے عملی رنگ تھا، یہی گہرائی اُن کے کاموں میں بھی تھی، مدرسہ قائم کیا تو ہر طالب علم کا یہ فرض قرار دیا کہ ہر نماز کے بعد



ایک طالب علم کھڑا ہو کر نمازیوں کے سامنے ایک مسئلہ بیان کر دے، دوسرا ایک حدیث سنادے، تیسرا قرآن پاک کی کسی آیت کا ترجمہ اور مطلب بیان کر دے، اس طرح نمازیوں کا بڑا فائدہ ہونے لگا اور اسی سے اُن کی تبلیغی کوششوں کا آغاز ہوا۔

یاد ہوگا کہ تحریک خلافت کے شباب میں ۱۹۳۴ء میں آریہ تحریک نے زور پکڑا اور خصوصیت کے ساتھ ملکہانوں اور میواتیوں میں اپنا کام شروع کیا، میوات کا بڑا علاقہ ہے جو دہلی کے پاس سے لے کر راجپوتانہ کی ریاستوں تک پھیلا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُس قوم کی آبادی پچاس لاکھ کے قریب ہوگی، اُن کا پیشہ کاشت کاری اور مویشی پالنا ہے، لیکن حد درجہ لڑاکے اور چوری، ڈاکہ اور قتل میں بدنام تھے، کہنے کو تو مسلمان تھے، لیکن نام بھی مسلمانوں کا نہیں اور کام بھی نہیں، مولانا نے یہ سمجھ کر کہ یہ سارا فساد اُن کی جہالت کے سبب ہے، میوات کے پورے علاقہ کا بڑی محنت سے دورہ فرمایا، میلوں پیادہ چل کر بیل گاڑی میں بیٹھ کر اور جہاں سڑک تھی، موٹر پر پورے علاقہ میں سال ہا سال پھرتے رہے، جگہ جگہ مسجدوں اور مکتبوں کا انتظام کیا، ہر جگہ وعظ کیا، لوگوں سے ملے، اُن کو اپنے سے آشنا کیا، اُن کو سمجھایا، اُن کو دین بتلایا، کلمہ سکھلایا، جو جان چکے اور سیکھ چکے اُن کو آگے بڑھایا، اُن کو دوسروں کے بتانے اور سکھانے کا کام سپرد کیا، جو اہل نظر آئے، اُن کو ذکر و فکر کی تلقین کی، جو تعلیم کے قابل ہوئے اُن کو تحصیل علم پر مامور کیا، اخلاص سے کام کرنے والوں کو آس پاس سے بٹورا، اُن کو اپنی طرز دعوت سے آشنا کیا اور اُن کو تھوڑی تھوڑی تعداد میں اس شرط کے ساتھ کہ وہ کھانے پینے اور سفر کا کل خرچ اپنی جیب سے کریں گے، گاؤں گاؤں میں بھیجا اور اس طرح میوات کی پوری سرزمین مخلص مبلغ سپاہیوں کا کیمپ بن گئی اور چند سال کے بعد ڈاکوؤں اور چوروں کا جرائم پیشہ گروہ نیک صالح اور دین دار مسلمانوں کی جماعت بن گئی، یہ حضرت مولانا کی مساعی جمیلہ کی وہ کرامت ہے جس کو پولیس کی سرکاری رپورٹ میں بھی صحیح مان لیا گیا اور جرائم پیشہ گروہ سے وہ خارج قرار دیا گیا۔

مولانا کا طریق دعوت بالکل سادہ تھا، خود سادہ تھے، سراپا اخلاص تھے، سراپا درد تھے، دین کے سچے غم خوار اور مسلمانوں کے بدل خدمت گزار، اللہ پر متوکل، ایک دھن تھی کہ دن رات اُن کو بے قرار رکھتی تھی، اُن کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا جو تھا وہ صرف



دین کی خدمت اور مسلمانوں کی غم خواری اور اصلاح کی فکر تھی، یہی اُن کی تقریر تھی، یہی اُن کی گفتگو اور اسی کا شب و روز ملنے جلنے والوں سے اعلان و اظہار۔

میں نے مولانا کا ذکر خیر مدت سے سن رکھا تھا، ہمارے مدرسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعدد اساتذہ کرام جن کے سرخیل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تھے، کئی دفعہ بستی نظام الدین جا کر حضرت مولانا سے مل چکے تھے بلکہ ہمارے یہاں سے کئی سال سے متواتر طلباء کے وفد مولانا کے حلقہ مبلغین میں داخل ہو کر خدمت کیا کرتے تھے اور واپس آ کر اپنے تاثرات بیان کرتے تھے، مگر خاکسار کو ذاتی طور پر نیاز کا شرف حاصل نہ تھا، اتفاق دیکھتے کہ گزشتہ سال مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے حضرت مولانا اور اُن کے ساتھیوں کو لکھنؤ اور ندوہ میں قیام کرنے کی دعوت دی، چنانچہ شعبان کی بیچ کی تاریخ اس کے لیے مقرر ہوئی، ادھر رجب کے شروع میں جولائی کی بیچ کی تاریخیں تھیں، خاکسار تھانہ بھون میں تھا کہ مولانا کی آمد کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ واپس دہلی کے لیے اسٹیشن روانہ ہو گئے، مجھے بھی دہلی جانا تھا اور اسی گاڑی سے مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ اسٹیشن آیا، دیکھا کہ ایک دبے پتلے نحیف سے میانہ قد، بڑی داڑھی، کچھ کچی اور کچھ پکی، ہاتھ میں چھڑی، سر پر عمامہ، مگر وہ کبھی سر سے اُترا اور کبھی سر پر رکھا ہوا، اسی طرح جسم پر لمبے کرتے کے اوپر ایک عباسا، مگر وہ بھی کبھی دربر اور کبھی باہر، ایک کمبل بچھائے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہیں، ہم دونوں بھی سلام کے بعد جا کر بیٹھ گئے وہ اور مولانا ظفر احمد صاحب تو مدت کے رفیق اور ایک دوسرے کے محبت دوست تھے، مولانا نے فوراً اپنی تبلیغ کی تقریر شروع کر دی اور اُن کو اپنے طریق دعوت کی توضیح بھی بیان فرماتے رہے اور وہ مجھ سے بالکل نا آشنا تھے اور میں اُن کے نام اور کام سے آشنا، مگر خود اُن کی حقیقت سے نا آشنا تھا، میں اُن کی باتوں کو چپ سنتارہا، آخر میں یہ عرض کی کہ حضرت! ایسے لوگوں کو جو صرف دو چار دن آپ کی صحبت میں رہے اُن کو تزکیہ اور تصفیہ کے بغیر مبلغ بنا کر بھیجنا کیونکر مفید ہوگا؟ فرمایا: مکتوبات مجدد الف ثانی پڑھیے، معلوم ہو جائے گا، دوبارہ عرض کی: میں نے اُن کو پڑھا ہے، مگر اُن سے تو اس مشکل کا حل معلوم نہ ہوا، شاید مولانا کو کچھ اچنبھا سا ہوا، جناب مولانا ظفر احمد صاحب سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے میرا نام لیا تو خوشی سے اُچھل پڑے، کھڑے ہو گئے، سینہ سے لگایا اور مجبور کیا کہ انہی کے ساتھ انہی



کے ڈبہ میں سیکنڈ کلاس میں سفر کروں، میرا ٹکٹ بدلوا یا اور اس وقت سے لے کر کاندھلہ تک برابر ڈیڑھ دو گھنٹہ بڑے جوش و خروش سے کلام فرماتے رہے، اُن کی زبان میں لکنت تھی، تقریر پر قادر نہ تھے، تقریر بھی اُلجھی ہوئی ہوتی تھی، مگر جوش و خروش کا سمندر اُن موانع کے سارے خس و خاشاک کو بہائے لے جاتا تھا، تھوڑی گفتگو کے بعد وہ ری تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

جسمانی کمزوری اور ضعفِ سینہ کے باوجود اُن کے پھیپھڑے اُن کی پرزور تقریر اور پر جوش گفتگو کے تسلسل اور تواتر کے سبب ہر وقت اس طرح اُبھرا بھر کر اُٹھتے تھے کہ مجھے تو ڈر لگتا تھا کہ کہیں یہ پھٹ نہ جائیں یا گلے کی رگیں جو بار بار پھول پھول جاتی تھیں وہ نہ پھٹ جائیں، یہ سب سہی مگر دریا اپنی روانی میں ہر خطرہ سے بے خبر اور ہر افتاد سے بے پروا تھا۔ حضرت مولانا نے اس اثناء میں جو کچھ فرمایا میں نے اپنی استعداد کے مطابق اُس کو پوری طرح سمجھ لیا، اتنے میں کاندھلہ آیا اور وہ اُتر گئے مگر مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ کل رات کو دہلی میں پھانک جش خاں میں اُن کا تبلیغی جلسہ ہے میں اُس میں شرکت کروں چنانچہ شریک بھی ہوا اور تقریر بھی کی اور مولانا نے اس کی تصدیق و تصویب بھی فرمائی۔ میں اس سفر سے لوٹ کر جب لکھنؤ آیا، تو حضرت مولانا کے اہل تبلیغ مجاہدوں کی آمد لکھنؤ میں شروع ہو چکی تھی اور ندوہ کی مسجد میں اُن کا قیام تھا، اللہ اللہ کیا سادگی کی شان پائی، سادہ تکلف سے بری، شب زندہ دار، تہجد گزار، پچھلے پہر سے ذکر و فکر میں مصروف صبح کی نماز پڑھ کر اپنے کام کے لیے مستعد اور تیار۔

ایک دور روز کے بعد مولانا مع اپنے دوسرے رفقاء کے آئے اور ندوہ کے مہمان خانہ میں ساتھ ہی قیام فرمایا اور تقریباً ایک ہفتہ تک دن رات ساتھ رہا، ہر گفتگو میں شریک اور ہر مجلس میں رفیق، جیسے جیسے ملتا جاتا تھا، اُن کی تاثیر بڑھتی جاتی تھی، مولانا کی تقریر گوا بھی ہوئی اور بیان ژولیدہ بدستور تھا، مگر میں نے جو دیکھا کہ جو آیا وہ اثر سے خالی نہ گیا۔

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں

اثر یہ ہو نہیں ہو سکتا کبھی دعوائے باطل میں

لکھنؤ میں کئی جلسے ہوئے اور بار بار تقریریں ہوئی، لوگوں نے مطلب سمجھا، شرکت پر



آمادہ ہوئے، کام کا آغاز ہوا، دلی سے مبلغین لکھنؤ کے کوچہ کوچہ میں پھرے اور مسلمانوں کو کلمہ اور نماز کی تلقین کی، ایک ہفتہ کے بعد کانپور کی جانب کوچ ہوا، دو تین روز قیام رہا، خاکسار بھی ساتھ تھا، یہاں ہر وقت اُن کی صحبت اُٹھائی، اُن کی تقریریں بھی سنیں۔

اُن کے کام کو جانچا، اُن کی دھن کو دیکھا، ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح، دین کی سربلندی اور اعلائے کلمہ کے لیے درگاہِ الہی میں دستِ نیاز دراز، آنکھیں پر نم، آوازِ دل گیر۔

زیادہ دیکھنے والوں اور بار بار ملنے والوں کو تو خدا جانے کیا کیا ادا میں پسند ہوں گی لیکن مجھے اس تھوڑی سی ملاقات میں اُن کی تین ادا میں بہت پسند آئیں، صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کے رخ بیٹھ کر وہ کام کرنے والوں کو دین کا کام سمجھاتے تھے اور بار بار اُن کی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں فرماتے تھے، اُن دعاؤں میں لفظ ”اللہ“ اُن کے دل کی گہرائی سے نکل کر دوسروں کے دلوں کی گہرائی میں گھر کر لیتا تھا، ”ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد“، مختلف اوقات میں اُن کی زبان سے کسی قدر یہ دعائے ماثورہ ”یا حی و یا قیوم۔ برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین (اے جی و قیوم خدا! میں تیری رحمت سے چاہتا ہوں کہ تو میری فریاد کو سنے، تو میری حالت کی درستی فرما دے اور ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے میرے نفس پر نہ چھوڑے) نکلتی تھی اور اُن کے فقر و التجا الی اللہ کی کیفیت کو ظاہر کرتی تھی، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہتے تھے اور اُن میں کسی قسم کا امتیاز نہیں چاہتے تھے، وہ لکھنؤ سے کانپور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تھرڈ کلاس میں سوار تھے۔ اُن کے بعض معتقد فرسٹ کلاس میں سوار تھے، بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ تھرڈ میں تو ہلنا، بلکہ اپنی جگہ سے نکلنا بھی مشکل تھا، سیکنڈ میں بیٹھنے کی جگہ تھی، مگر اندر جانے کی جگہ نہ تھی، فرسٹ میں گنجائش تھی ہر اسٹیشن پر کوشش کی گئی کہ مولانا نکل کر فرسٹ میں چلے آئیں، مگر منظور نہیں فرمایا، آخر کانپور کے قریب پہنچ کر ظہر کی نماز یا اور کسی ضرورت کی بناء پر اس درجہ میں داخل ہوئے۔

لکھنؤ کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے ہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت تھی، پاس کوئی مسجد نہ تھی، اُن کی کوشی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا خود کھڑے ہو کر اذان دی، اذان کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھاؤ، میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی، نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے فرمایا ”بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار



ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے، میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلاء سے سلامت نکال لیں، آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں۔“

مجھے کبھی بستی نظام الدین جانے اور اُن کی مسجد میں قیام کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، مگر جانے والوں سے سنا کہ پچھلے پہر رات کا سماں بڑا موثر ہوتا تھا، دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے، ہر طرف سے تہجد گزاروں اور ذاکروں اور تسبیح خوانوں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، کوئی سجدہ میں ہوتا تھا تو کوئی رکوع میں، کوئی گریہ و بکا میں تھا، تو کوئی دعاؤں میں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سچائی کا ایک آفتاب کیونکر متعدد ذروں کو اپنے پاس کھینچ کر روشن بنا دیتا ہے۔

مولانا کا جسمانی ضعف، پھر شب و روز کی یہ محنت اور دعوت کے کاموں میں ہمہ وقت کا یہ شدید انہماک اور آرام و راحت کی ہر تدبیر سے کامل اعراض نے ادھر اُن کو ضعیف بنا دیا تھا، مہینوں سے پیش اور اسہال کا عارضہ پیدا کر دیا تھا اور ضعف روز بروز بڑھتا جاتا تھا، ہر علاج ناکام رہا، مگر اس حالت میں بھی کام کے انہماک اور دعوت کے جوش کا وہی عالم تھا، آخر میں یوں تو نشست و برخاست دشوار ہو گئی تھی، سہارے سے اُٹھتے بیٹھتے تھے، مگر اس حالت میں بھی نماز باجماعت کا اہتمام اخیر تک رہا، بلکہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا فرماتے رہے اور خدا جانے اس وقت اُن کے اندر کہاں سے طاقت آ جاتی تھی۔

اُس زمانہ میں جو لوگ اُن سے ملنے اور اُن کو دیکھنے گئے، سب نے اُن کی بڑی پرتا شیر کیفیتیں بیان فرمائی ہیں۔

۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) کو وفات پائی اور اسی مقام بستی نظام الدین کی مسجد کے صحن کے باہر جنوبی و مشرقی گوشہ میں اپنے والد و برادر معظم رحمہما کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

چپہ چپہ ہے واں گوہر یکتا تر خاک  
دُفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

(ماخوذ: یاد رفتگان)

(مزید دیکھئے: سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ، از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)



## دعوت و تبلیغ کے امیر ثانی حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ:

انتقال سے پہلے بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے اپنے بعد اس کام کی سرپرستی کے لئے چند علماء کے نام دیئے تھے، جن میں حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ (حضرت مولانا کے صاحبزادے) کا نام بھی تھا، انتقال سے پہلے ہی علماء کے مشورہ سے حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کا نام طے ہوا۔ اور پھر حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے نامور فرزند ارجمند اور لائق و فائق بیٹے حضرت علامہ الشیخ المحدث محمد یوسف کاندھلویؒ نے دعوت و تبلیغ کی اس تحریک کو جس عروج تک پہنچایا وہ کسی تعارف و تبصرہ و تائید کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۱۷ء بروز بدھ کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور والدہ محترمہ مولانا روف الحسنؒ کی خدیجہ سیرت صاحبزادی تھیں۔ دس سال کی عمر میں حافظ امام خان میواٹی سے قرآن شریف حفظ کیا، قاری معین الدین صاحبؒ سے تجوید سیکھی، ۱۱ سال کی عمر میں والد ماجدؒ سے مدرسہ کاشف العلوم میں عربی پڑھنی شروع کی، ۱۳۵۱ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور ہدایہ اولین، میبذی اور دیگر کتب پڑھیں، پھر جلالین، مشکوٰۃ شریف، حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کاندھلویؒ کے ساتھ مدرسہ کاشف العلوم میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا احتشام الحسنؒ کاندھلویؒ سے پڑھیں۔ ۱۳۵۴ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں، مگر بیماری کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے اور نظام الدین آکر بقیہ حدیث کی کتابیں والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے پڑھ کر مکمل کیں، ۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسے میں حضرت شیخ کی صاحبزادی ذکیہ صاحبہ سے نکاح ہوا، نکاح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پڑھایا۔ اس نکاح سے اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ اور ایک صاحبزادی اسماء خاتون آپ کو عطا فرمائے، آپ کی یہ اہلیہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو وفات پا گئیں، بعد ازاں حضرت شیخ کی دوسری صاحبزادی راشدہ صاحبہ سے آپ کا نکاح ہوا، جن کی وفات یکم جون ۱۹۹۶ء کو ہوئی، حضرت مولانا محمد زبیر الحسنؒ کاندھلویؒ نے



حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن مدظلہ العالی نے اپنی پہلی دو ہمشیران ذکیہ و ذاکرہ کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔

۱۳۵۶ھ میں مولانا محمد یوسفؒ نے مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ساتھ پہلا حج کیا، اس سفر میں جبل احد پر عربوں کے ایک اجتماع میں عربی زبان میں تقریر کی جو آپ کی عربی زبان میں پہلی دعوتی تقریر تھی، قصبہ نوح کے ایک اجتماع میں اپنے والد ماجد کی موجودگی میں تقریر کی جو اردو کی پہلی تقریر تھی، پھر اپنے والد کے حکم پر میوات میں ایک چلہ لگایا، جو آپ کا پہلا چلہ تھا، پھر حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ کے ساتھ حضرت شیخ کے حکم سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۳ء کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اجازت بیعت دی، اگلے دن والد کی وفات ہوئی اور آپ کو جانشین مقرر کیا گیا۔

۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے بعد کراچی کے ایک اجتماع میں شرکت کی، یہ تقسیم کے بعد پاکستان کا پہلا اجتماع تھا، ۱۹۵۵ء میں آپ نے دوسرا حج حضرت مدنیؒ کی سرپرستی میں کیا، ۱۹۶۳ء کو تیسرا حج حضرت شیخ کی سرپرستی میں کیا جو آپ کا آخری حج تھا، یکم اپریل ۱۹۶۵ء کو مرکز لاہور شہر، بلال پارک مسجد میں بعد نماز مغرب آخری بیان کیا، ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو بعد نماز جمعہ لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا، رات کو جنازہ دہلی لایا گیا، اور ۳ اپریل کو ۱۱ بجے دن اپنے والد محترم کے پہلو میں مدفون ہوئے، لاہور میں نماز جنازہ مولانا محمد انعام الحسنؒ نے اور دہلی میں حضرت شیخ نے پڑھائی، حدیث کی مشہور کتاب معانی الآثار کی بے مثال شرح ”امانی الاحبار“ کے نام سے اور صحابہ کرامؓ کے حالات پر ”حیۃ الصحابہؓ“ جیسی عظیم کتاب لکھی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندویؒ اپنے تعزیتی شذرہ میں لکھتے ہیں:

”راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنہ کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تحقیر و تنقیص کے) اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے، دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا، دورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔“



اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایہ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ہمسرا اور مقابل نہیں دیکھا، یوں اُن کی نادرہ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے جن میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا، اُن کی ایمانی قوت، اُن کا اعتماد و توکل، اُن کی ہمت و جرأت، اُن کی نماز اور دعا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے اُن کی گہری واقفیت اور اُن کے حالات کا استحضار، اتباع سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعات انبیاء علیہم السلام سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت اور آخر میں اُن کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب اُن کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو اُن کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور اُن کی تعداد ہزاروں کی ہے، لیکن درحقیقت یہ سب اور اُن کے ماسوا اور بہت سے پہلو اُن کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں اُن کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں اور بعض شخصیتیں اُن میں اُن سے فائق بھی ہو سکتی ہیں، لیکن راقم نے اُن کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے، اُن میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) اُن کا کوئی سہیم و شریک اور اُن کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا، والغیب عند اللہ۔

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور اُن کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف، طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی، جس وقت وہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات، اُس کی قدرت کن فیکون، اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکام الہی اور نظامِ شریعی کے سامنے نظامِ تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملین نبوت اور اہل ایمان و دعوت کا اربابِ اقتدار، اہل



حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سہ اللہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لیے اس حواس و مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہنچ جاتے اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسہ لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترک اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے، لیکن اس دورِ مادیت میں ”اسباب“ نے ”ارباب“ کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالم کا عالم اپنی قسمت کو مادی اسباب اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے اور کسی دینی دعوت و تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں، جن کا عشق ”آتشِ نمرود“ میں بے خطر کو دگر عقل کو ”محو تماشا ئے لبِ بام“ کر دے بلکہ اس تھوڑے سے ایثار و قربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے، جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی، مادی ترقی اور مادی اقتدار کی اہمیت و تقدس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ و تلقین نے خود اس اُمت کو متاثر کر لیا ہے، جس کی ساری طاقت اور ساری فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت، رضائے الہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا، مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزاق سمجھ لیا ہے۔

مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سیکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبے سے معمور اور قربانی کی لذت سے محمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے، جن کو عقل و دلائل، حکمت و مصلحت اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہنچ گئی، ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقے کے لوگ تھے، مہینوں کے لیے گھربار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا، اور دعوت و تبلیغ کے راستے میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انہوں نے بڑی دریادلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسر آئی ہوگی)



معاشرے کی اصلاح و انقلاب اور دنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے اور افراد کی یہ قوت ایمانی، اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی، اُن کی ان مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مجالس وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی، جس وقت آدمی اُن کے ان مواعظ کو (جو فتوح الغیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں) پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بے باکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیت کے ہزاروں بت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا اور جو مادی سعی و جدوجہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف و مامور سمجھتے ہیں اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو اُن کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اتار سکے اور اُن کے ذہن نے عین اُن مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا، لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوت ایمانی نے وہ نتائج پیدا کیے جن سے ہماری ”متوازن و معتدل“ دعوتیں (جن کی عصر حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر ہیں، اور صاف اندازہ ہوا کہ۔

لاکھ حکیم سر بجیب      ایک کلیم سر بکف

اُن کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ اُن کا ایسا شغف و انہماک تھا، جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی، والہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آتی، اُن کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصے اُن کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں اُن کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اُس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا، چند دن رہ کر آدمی اُن کی مشغولیت و انہماک اور اُن کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا اور اُس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں ”عشق“ اور خاص حالات



میں تائید الہی اور نصرتِ غیبی کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان المبارک میں بہت بڑھ جاتا، جب کہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں اُن کی رات شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتی، اس کے باوجود فجر کی نماز کے بعد پوری قوت، تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں چائے کے دوران اور چائے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا، عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبے اور طاقت کے ساتھ دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے، سب کچھ اسی دعا میں مانگ لینا ہے اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دینا ہے، اس کے بعد بھی مختلف تقریروں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا، پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے، پھر کھانے کا وقت ہو جاتا، ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھاتے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے، ملنے جلنے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا، کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا، عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا، کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا، دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا، سنانے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے۔

ہم جیسے پست ہمتوں کے لیے نظام الدین کا دور روزہ قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا، میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا ”بے ہمت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے“۔ لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشہ



عافیت تلاش کر لیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبانِ حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ۔

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر  
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، اُن کی مقدار اور اُن کے اوقات کی کوئی تحدید نہیں تھی، بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے بولنے کی نوبت آتی۔ (یہ اندازہ صرف تقریروں کا ہے، مجلسی گفتگوؤں کے اوقات اس کے علاوہ ہیں۔) اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کو اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا، اب اسی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے، یہی ہر وقت کی دعا کی کیفیت ہوتی۔

مجھے حجاز کے آخری سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا، لیکن میں نے بالتواتر سنا ہے کہ وہاں یہ جوش و خروش اور جذبہ و انہماک اپنے نقطہ عروج کو پہنچ چکا تھا، مسجد نبویؐ میں صحن مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہو جاتی اور دن چڑھ آتا اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبدِ خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانے کے مطابق بسیط تقریر کی، تقریر کے بعد تشکیل ہوئی، پھر دعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے کہ خدا جانے کہ نکاح کی تقریب سے یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا، پھر اس طرح تقریر ختم فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے۔ یہی حال دعا کا تھا، مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش و خروش، اس کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر، مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دور دور دیکھنے میں نہیں آئی، جب دعا کرتے، حاضرین کا عجب حال ہوتا، خاص طور پر جب اُردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دور دور سے



حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن رحمہ اللہ کی طرف سے لکھی گئی ہے۔

رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں، اس کی مثال ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آئی کہ بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ دعا کے وقت رحمت الہی جوش میں نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بے خودی کی کیفیت ہوتی اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے، واقعہ یہ ہے کہ دعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات اُن کے دلوں پر ہوتے، اگر کچھ دیر بھی باقی رہ جاتے تو لوگ دنیا کے کام کے نہ رہتے اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی، لیکن نظام عالم اسی طرح چل رہا ہے اور ہم ضعیف البیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔ اُن کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، اُن کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد اور اُن کی طبیعتوں میں تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا، اُن کی کیمیا اثر صحبت اور اُن کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت زندگی، معاشرت اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا، سیکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان بولنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہو گئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دعاؤں میں ان کی دعاؤں کا رنگ آ گیا، کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سر تا پا مغربی اور ریسانہ تھی اور وہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور ایک فقیر منش اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں اور جن کی گرانقدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصہ تبلیغ و دعوت، رفقاء کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے، اور اُن میں اُن کے گھر والوں کا اور اُن کا اپنا وہی حصہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجے کے تاجر کا ہے، کتنی بڑی تعداد اُن رفقاء اور نیاز مندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوق عبادت، جن کا جذبہ خدمت اور جن کی خشیت و انابت اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، حقیقی علم تو علام الغیوب کو ہے، لیکن اُن کے اخلاص و اخلاق کو دیکھ کر اُن کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں (خدا اُن کی زندگی میں برکت دے) اُن کے متعلق کچھ کہنا خلاف



احتیاط ہے ”فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنة“ (یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں، فرمایا کہ دنیا سے چلے جانے والوں کی اقتدا کرو، اس لیے کہ جو زندہ ہے اُس کے بارے میں فتنے سے اطمینان نہیں) لیکن جانے والوں میں سے متعدد اصحاب کے نام لیے جاسکتے ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور اُن کے حالات اتنے رفیع ہو گئے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

اُن میں سے میں صرف اپنے محبوب اور عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کروں گا جن کا (اپنے اعلیٰ عہدے اور ذمہ داریوں کے ساتھ) اخلاص واللہیت، تعلق مع اللہ، دعوت کے کاموں میں انہماک و استغراق، ایثار و قربانی کی کیفیت، تواضع و انکسار، خدمت کا جذبہ اور پھر اسی راہ کی قابل رشک موت اور شہادت برسوں دل کو تڑپاتی اور اُن کی یاد تازہ کرتی رہے گی، جاپان میں اشاعت اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے مقدر فرمایا تھا، اور اہل حجاز بھی اُن کو عرصے تک یاد رکھیں گے، دنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے، جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کی زندگی بدل گئی اور اُن کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان و یقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی، ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے براعظموں میں بھی ملیں گے۔

جہانے را درگوں کرد یک مرد خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیت اپنے پورے شباب اور عروج پر تھی، اُن کی ہمت کا طائر بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لیے تیار نہ تھا، کوئی دور سے دور جگہ اُن کو دور، اور کوئی مشکل سے مشکل کام اُن کو مشکل معلوم نہیں ہوتا تھا، اُنہوں نے اپنی تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بے چینی اور بے تابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں اور دنوں میں کر لیا، اپنے والدینا مدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دنیا کو گھر آنگن بنالیا، حج کا مسئلہ اٹھایا (فریضہ حج میں روح پیدا کرنے اور اُس کو دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ) اور اُس میں ایک نئی روح پھونک دی اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد اور اُن کی کیفیات میں



عظیم فرق پیدا ہو گیا، اجتماعات، میوات کے محدود پیمانے سے نکل کر اتنے عظیم اور وسیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) اُن کے سامنے ماند پڑ گئے اور اُن کی وہ کثرت ہوئی کہ مولانا کے لیے نظام الدین کا قیام مشکل ہو گیا، تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادی زندگی پر تنقید اور فساد کے سرچشمے کی نشان دہی کے باب کا افتتاح کیا اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے اور متاثر ہوئے، یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے، لیکن مولانا نے پچاس برس سے کم عمر اور اپنی ذمہ داری اور دعوت کے صرف بیس (۲۰) سال کے اندر انجام دیئے اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے خالق سے جا ملے۔

کام تھے عشق میں بہت، پر میر  
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

(پرانے چراغِ حصہ سوم، از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندوی رحمہ اللہ)

(مزید دیکھئے: سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ، از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ)

صاحبزادہ حضرت مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ:

امیر ثانی دعوت و تبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ مشورہ سے امیر طے ہو گئے تھے، لیکن کچھ لوگوں کی جذباتی عقیدت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے پوتے اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے بیٹے حضرت مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ سے تھی۔ آپ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی بھرپور معاونت و تائید کرتے رہے، اور کسی موقع پر اختلاف کی فضا کو پروان نہیں چڑھنے دیا، آپ کے بیان کا انداز اور لب و لہجہ اپنے والد سے مشابہت رکھتا تھا، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد کی امامت و خطابت اور دیگر ذمہ داریوں میں آپ اُن کی نیابت کرنے لگے تھے، بڑے بڑے اجتماعات میں آپ کا بیان ہونے لگا تھا، غرضیکہ آپ کی مختصر سی زندگی دعوت و تبلیغ کی محنت سے عبارت رہی۔

مولانا محمد ہارون بن مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ،



مطابق ۸ نومبر ۱۹۳۹ء کی درمیانی شب میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ اپنے پوتے کو دیکھنے کے لیے یکم شوال کو سہارنپور تشریف لائے۔ جب آپ ۵ سال کے تھے تو دادا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا انتقال ہوا اور جب ۲۵ سال کے تھے تو والد حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا انتقال ہوا، مرکز نظام الدین مدرسہ کاشف العلوم میں کلام پاک حفظ کیا، درس نظامی کی تکمیل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں کی، بخاری شریف حضرت شیخ الحدیثؒ اور مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ سے پڑھی، پھر مدرسہ کاشف العلوم میں اُستاز مقرر ہوئے اور عربی کتب پڑھانے لگے، ۱۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلویؒ کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح خانقاہ رائے پور میں حضرت رائے پوریؒ کی موجودگی میں ہوا، اس نکاح سے اللہ نے آپ کو ایک بیٹا حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی اور دو بیٹیاں فاطمہ و عائشہ تین اولادیں عطا فرمائیں۔ مولانا ہارون موصوف نے پہلی بیعت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے کی پھر نانا جان حضرت شیخؒ سے بیعت ثانیہ ہوئی اور شیخؒ کی طرف سے خلافت بھی عطا ہوئی۔ شیخؒ نے آپ کو ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ (۲۰ جون ۱۹۷۱ء) کو مدینہ منورہ میں اجازت دی اور جو اجازت نامہ لکھوایا وہ اُن کے اور تبلیغ سے متعلق پانچ مرکزی شخصیات کے نام ہے:

”مکرمان محترمان مولانا الحاج انعام الحسن صاحب، مولانا الحاج علی میاں صاحب، مولانا منظور صاحب نعمانی، مولانا منور حسین صاحب و مفتی محمود حسن صاحب مد فیوضہم۔“

بعد سلام مسنون! تبلیغی مصالح کی بنا پر آج ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ کو اقدامِ عالیہ میں عزیز مولوی محمد ہارون سلمہ کو میں نے تو کلاً علی اللہ بیعت کی اجازت دی ہے، البتہ دینی مصلحت اور تبلیغی مصلحت کی بنا پر اس کو یہ بھی کہہ دیا کہ مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی حیات میں نظام الدین یا میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے، حب جاہ اور حب مال سے بہت زیادہ احتراز کرے، اہل دنیا سے اُن کی دنیوی وجاہت سے تعلق نہ رکھے، دینی مصالح کی بنا پر اجازت میں تقدیم و تاخیر اکابر سے بھی منقول ہے اور بیک وقت کئی مشائخ کا ایک جگہ موجود ہونا بسا اوقات موجب ترقیات بھی ہوا ہے۔ تھانہ بھون میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد ضامن صاحب اور حضرت مولانا شیخ



حضرت مولانا محمد یونس صاحب دارالعلوم دیوبند میں موجود رہے اور حضرت شیخ الہند اور مفتی عزیز الرحمن صاحب دارالعلوم دیوبند میں موجود رہے، میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کا بیک وقت موجود ہونا دونوں کے لیے موجب ترقی بنا، چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ، عزیز مولانا محمد یوسف صاحب اور قاری رضا حسن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب اور حافظ مقبول صاحب کا بیک وقت نظام الدین میں قیام رہا۔

میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان دونوں عزیزوں کے بیک وقت قیام کو دونوں کے لیے موجب ترقیات بنادے، لیکن زمانہ فساد کی طرف دوڑ کر چل رہا ہے، اس لیے میں نے عزیز مولوی محمد ہارون کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب (اللہ تعالیٰ تادیر اُن کو زندہ اور سلامت رکھے) کی حیات میں نظام الدین اور میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے اگرچہ مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کے زمانہ میں لوگ مولانا محمد انعام الحسن صاحب سے بیعت ہوتے رہے ہیں، چونکہ اس ناکارہ کو بھی اپنی زندگی کا اعتبار نہیں، اس لیے تم دوستوں کو بھی اس کی اطلاع کرتا ہوں، نیز میرے جستی تنکے (ٹین کا بکس) میں چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کا وہ عمامہ ہے جو مجھے بیعت کے لیے دیا تھا اسے عزیز مولوی محمد ہارون سلمہ کے حوالہ کر دیا جائے کہ سیہ کار تو اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف سلمہ کو اس سے تمتع نصیب فرمائے۔ فقط والسلام محمد زکریا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد ہارون صاحب کاندھلوی کو جو گونا گوں دینی امتیازات و کمالات اور خاندانی و موروثی اوصاف و خصوصیات عطا فرمائی تھیں اس کی بنا پر آپ کے نانا حضرت شیخ اور مولانا انعام الحسن صاحب کو آپ سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، یہاں تک کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب برابر انہیں اپنے ساتھ رکھتے اور کھانا وغیرہ اُن کے بغیر شروع نہ کرتے، یقیناً ان حضرات کا خیال تھا کہ آگے چل کر حق تعالیٰ صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی سے ضرور دینی دعوت و اصلاح کا بڑا کام لیں گے۔ لیکن مشیت ایزدی سے عالم جوانی ہی میں مولانا محمد ہارون کاندھلوی کی وفات جمعہ ۳۰ شعبان ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ہو گئی، مولانا محمد انعام الحسن صاحب نے جنازہ پڑھایا اور مرکز نظام الدین کے عقبی حصہ میں اپنی والدہ مرحومہ کے پاس تدفین عمل میں آئی۔ (مزید دیکھئے: تذکرہ مولانا محمد ہارون، از مولانا محمد ثانی حسنی)



سرپرست تبلیغ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی:

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات والا صفات وہ شخصیت تھی کہ جس نے ہمیشہ تبلیغی کام کی سرپرستی فرمائی، بالخصوص حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کی وفات کے بعد کے دنوں امراء حضرت مولانا یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کا ہر مشکل وقت میں ساتھ دیا، عمدہ اور قیمتی نصائح سے نوازا، اپنے خلفاء اور متعلقین کو تبلیغی محنت میں جڑنے کی تلقین فرمائی اور مخالفت سے منع کیا، غرض دامے، درمے، سخنے، قلمے ہر طرح تبلیغی محنت کے دست و بازو بنے رہے، آپ کی سرپرستی سے بہت سے فتنے دبے رہے، حق تعالیٰ نے بڑی صفات سے نوازا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا نام نامی اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ ایک متبحر عالم دین، وسیع النظر شیخ، بلند پایہ محقق اور علم حدیث میں اعلیٰ اور انفرادی شان رکھنے والے بے مثال محدث تھے۔ حضرت شیخ عالم اسلام کی وہ عظیم علمی و روحانی شخصیت ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنایا، عرب و عجم اور یورپ و ایشیاء میں آپ کو یکساں محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی، مختلف علوم و فنون پر دعوتی، تبلیغی، اصلاحی علمی و تحقیقی عنوانات پر آپ کی تصنیفات و تالیفات ۱۰۰ سے زائد ہیں جو اردو عربی اور فارسی کے علاوہ دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ”فضائل اعمال“ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے جو کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہو سکی۔ پوری دنیا کے ہر ملک میں مختلف زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والی یہ کتاب انتہائی مقبول ہے، چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا جس میں یہ کتاب دنیا میں کہیں نہ کہیں پڑھی اور سنی نہ جا رہی ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں لوگوں کے لیے ہدایت اور نیکی پر چلنے کا ذریعہ بنایا۔ جس طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سینکڑوں تصنیفات کے باوجود ”بہشتی زیور“ ان کی پہچان اور ہر مسلم گھر کی ضرورت بن گئی۔ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ”تعلیم الاسلام“ کتاب کو جس طرح مقبولیت ملی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو مایہ ناز تصنیف ”فضائل اعمال“ کے ذریعہ جو شہرت و عزت، اور مقام، مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائی وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہو سکی۔ فضائل اعمال اور فضائل صدقات ہر دونوں کتب آپ نے اپنے چچا جان بانی تبلیغ



حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے حکم پر تصنیف فرمائی تھیں، اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا دعوت و تبلیغ کے کام سے کس درجہ کا تعلق تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۸ء کو ہندوستان کے علاقہ کاندھلہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے سگے چچا اور مربی تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے ابتدائی کتابیں ۸ سال کی عمر تک گنگوہ کی خانقاہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سے پڑھیں اور بقیہ علوم و فنون اور حدیث کی کتابوں کی تکمیل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ سے کی۔ علوم باطنی کی تکمیل قطب الاقطاب حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ سے کی۔ یہاں تک کہ آپ اپنے وقت کے ایک بڑے محدث اور علوم باطنی کے بڑے مرشد بن گئے۔ ۱۹ سال کی عمر میں حضرت شیخ درس و تدریس میں مصروف ہوئے، ۲۶ سال کی عمر میں بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ شروع فرما دیا۔ شیخ الحدیث کالافانی لقب آپ کو آپ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ نے عطا فرمایا تھا جو آپ کے نام کا قائم مقام بلکہ کتاب ”فضائل اعمال“ کی طرح آپ کی پہچان و شناخت بن گیا۔ آپ نے تقریباً ۵۰ سال تک حدیث کی کتب پڑھائی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے طویل عرصہ کے انہماک و مطالعہ سے جن کتابوں کو تصنیف و تالیف کیا ان میں سے ان کی انتہائی اہم کتاب ”اوجز المسالک شرح موطا لامام مالک“ ہے یہ کتاب ۶ جلدوں میں پوری دنیا میں دیگر کتب کی طرح مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ یہ کتاب بھی ان کے علمی و دینی تصنیفی کارناموں کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم و قلم میں ایسی برکت اور وسعت و دیت فرمائی تھی کہ لاکھوں بندگان خدا کی دینی تربیت و ذہن سازی اور ان کے اخلاق و عقائد کی صحت و درستگی آپ کے علم و قلم کے ذریعہ ہوتی چلی گئی۔

تحریک دعوت و تبلیغ کے گویا آپ سرپرست اور مرشد و مربی تھے، تبلیغ کے بڑے بڑے ذمہ داران کا اصلاحی تعلق آپ سے تھا ان میں سے متعدد آپ کے خلفاء کی فہرست میں شامل



ہیں جن میں حضرت مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، حضرت مولانا سعید احمد خانؒ، حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ، مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ، مولانا محمد احمد بھاول پوری مدظلہ، مولانا محمد احسان الحق مدظلہ وغیرہ معروف ہیں۔

شیخؒ کا تبلیغی محنت سے تعلق اور سرپرستی کے حوالے سے مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

”دعوت و تبلیغ کا مبارک کام جو مجدد و تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے خاص اصولوں پر شروع کیا اور جس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ روز اول سے اس کے سرپرست، مشیر خاص اور مرشد عام رہے، حضرت آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

”اُن کے یہاں تبلیغی سلسلہ میں بھی جب کوئی بات پیش آتی تو بے تکلف فرما دیتے کہ شیخ صاحب کے یہاں جب تک پیش نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا، میرے دہلی کے ہر سفر میں کئی کئی مسئلے ایسے ہوا کرتے تھے کہ جن کے متعلق سنتا تھا کہ وہ میرے مشورے اور منظوری پر رکے ہوئے ہیں۔“ (آپ بیتی ۱۷۸/۴)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ حضرت شیخؒ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر خط لکھتا ہوں۔ میرے عزیز! اس پر شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے۔ نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشیں۔

اللہ کو منظور ہوا اور جب کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو ان شاء اللہ تمہاری یہ تصانیف اور فیوض ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ میری اس میں دعا سے مدد کیجیو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔“

(مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت ۲۲۶)

ایک اور گرامی نامے میں حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں:

”مجھے آپ اور حافظ (عبداللطیف) صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا



ہے۔ کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی اہمیت آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کیے ہوئے ہے۔ باقی سب آپ کے قلوب کی کٹھ پتلی ہیں۔“ (محبوب العارفین ۲۶)

بہر حال خورد ہونے کے باوجود حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ کے مشیر اور تبلیغ کے سرپرست تھے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی جو عظمت اور بزرگی اور جو قدر و قیمت حضرت مولانا محمد الیاس کے قلب مبارک میں تھی وہ بہت سے مریدان با اخلاص کے دلوں میں بھی نہیں ہوگی کیونکہ عظمت بقدر معرفت ہوا کرتی ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے دور میں حضرت شیخ پر تبلیغ کی سرپرستی کا بار دو چند ہو گیا تھا۔ خود حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کو حضرت شیخ سے والہانہ محبت تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت شیخ اُن کی ہمہ وقت نگرانی و سرپرستی فرمائیں، حضرت شیخ نے اس دورِ ثانی میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کے ساتھ ایسی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا کہ باید و شاید۔ اُن کی دل داری اور ہمت افزائی کی خاطر اپنی علمی مصروفیات کو قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ الغرض حضرت مولانا محمد الیاس کے زمانے میں اپنی خوردی کے باوجود حضرت شیخ تبلیغ کے سرپرست تھے اور دورِ ثانی میں بزرگانہ حیثیت سے تبلیغ اور اہل تبلیغ کے مرشد و مربی اور سرپرست اعلیٰ رہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بعد حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی کا دور شروع ہوا، اس دور میں بھی حضرت شیخ نے تبلیغ کی سرپرستی کا حق ادا فرمایا۔ جس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا: ”اس اصابتِ رائے کا نمونہ تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال پر باوجود ایک حلقہ کی خواہش و تقاضہ اور جذباتی تعلق کے اپنے لختِ جگر عزیز مولوی محمد ہارون کو اپنے والد اور دادا کا جانشین بنانے کے بجائے (جن سے اہل میوات کا جذباتی تعلق تھا) زمانہ کی نزاکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو جانشین بنایا جو مولانا محمد یوسف صاحب کے شروع کے شریکِ کار دستِ راست اور مشیر و معاون تھے اور جو اپنے فہم، تجربہ، علم و ہنر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا اور بعض عمائدِ دہلی نے شیخ کی



اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش کی، لیکن شیخ اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعد کے تجربوں نے اور دعوت کی موجودہ ترقی، مقبولیت اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ اور انتخاب صحیح و حق بجانب تھا۔“ (سوانح حضرت شیخ ۲۲۲)

الغرض حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس تبلیغی کام کی ابتداء سے لے کر ہمیشہ اس کے پشت پناہ اور سرپرست رہے۔ تبلیغ کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا تو حضرت شیخ اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گئے، کسی نے کوئی علمی اشکال پیش کیا تو حضرت شیخ نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا۔ اکابر تبلیغ کی تربیت فرمائی اور ان کو ترغیب دے کر اس مبارک کام میں لگایا، چنانچہ آج تبلیغ کے اکابر اور ذمہ دار حضرات سب حضرت شیخ ہی کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ تبلیغ کی علمی و اصلاحی غذا حضرت شیخ کے رسائل و فضائل سے مہیا ہو رہی ہے، اس لیے یہ تبلیغ کا مبارک کام حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ اور دیگر اکابر تبلیغ کے ساتھ حضرت شیخ کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہے۔ ان شاء اللہ تبلیغ کی تمام نقل و حرکت، ذکر و تسبیح، تلاوت و نوافل کا اجر و ثواب حضرت شیخ کے نامہ عمل میں لکھا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے حضرت شیخ کے مکتوبات و ملفوظات سے چند اقتباسات جمع کیے ہیں جن سے تبلیغی کام کی عظمت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ حضرت شیخ کی نظر میں دین کے تمام شعبوں کی اہمیت تھی اور آپ ان تمام شعبوں میں توازن و اعتدال اور تعاون کے قائل تھے۔

### تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت شیخ کے ارشادات:

① مولانا انعام الحسن صاحب کی برکات سے آج کل جہاں دین کا چرچا چل رہا ہے تبلیغی جماعت کی برکات سے چل رہا ہے۔ بہت سے خواب آوے مجھے حضور اقدس ﷺ کی پسندیدگی کے تمہاری جماعت سے مصافحے بھی ہوں۔ اللہ جل شانہ بہت ہی مدد کرے۔

② تبلیغ والوں کے ساتھ جوڑ رکھا کرو! یہ نہ سوچا کرو کہ وہ نہیں تعلق رکھتے تو ہم بھی نہ رکھیں۔ یہ ہماری ضرورت ہے کہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ جوڑ ہو۔

③ مولانا انعام الحسن صاحب کے خط سے یہ معلوم ہوا کہ میری آمد کے بعد سے آپ کی خط و کتابت مولانا انعام الحسن صاحب سے زیادہ بڑھ گئی اور آپ دہلی کا ارادہ بھی



کر رہے ہیں، مسرت ہوئی جب گنجائش ہو اور اسباب مساعد ہوں تو ضرور تشریف لے جاویں۔ تبلیغ کی جو بھی معاونت آپ فرما دیں، دریغ نہ کریں۔

۴) تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس کی بہت رعایت رکھتا ہوں کہ تبلیغی حضرات کو میرے کسی قول و فعل سے کوئی نقصان یا دقت نہ پیش آوے تم بھی اس کی رعایت رکھنا کہ وہاں کے تبلیغی احباب کو تمہارے کسی قول و فعل سے کوئی شکایت نہ پیش آوے۔

۵) وہاں کی تبلیغی جماعت سے بھی خاص طور سے میل جول پیدا کرنا اور تبلیغی

اجتماعات میں بہت اہتمام سے شریک ہونا۔

۶) تبلیغی جماعت کی حرکت نفع بخش اور صدقہ جاریہ ہے اس کو دین کا کام سمجھ کر شرکت ضرور کریں۔ مولانا انعام الحسن صاحب کی آمد پر وقتاً فوقتاً وقت نکال کر ان کے اجتماعات میں ضرور شرکت کرتے رہیں۔

۷) ایک صاحب کا خط آیا کہ تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ جماعت میں تیرا چلہ بہت ضروری ہے! اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جماعت میں میرے لیے قرض لے کر جانا اور مدرسہ میں نائب مقرر کر کے جانا جس کی پڑھائی پر اطمینان نہیں تو یہ مناسب ہے یا نہیں؟ حضرت کے مشورہ پر عمل کروں گا۔

جواباً تحریر فرمایا کہ اگر مدرسہ کا انتظام تمہاری غیبت میں قابل اطمینان ہو جاوے اور چلہ میں جانے کے لیے قرض کا اس طرح انتظام ہو جاوے جن کی ادائیگی بسہولت ہو جاوے تب تو بہت مناسب بلکہ ضروری ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر ہرگز نہیں۔

۸) نظام الدین میں عید کی نماز چچا جان کے زمانہ میں نہیں ہوتی تھی اس پر میں نے کہا کہ ہم نے تو سنا تھا کہ عید کے لیے جنگل میں جانا سنت ہے تو میں شہر میں کیوں جاؤں، تو میرے خاطر میں چچا جان نے پہلی دفعہ نظام الدین میں عید کی نماز پڑھی پھر شروع ہو گئی۔

۹) تبلیغ کے خلاف سوال کرنے کے جواب دینے کے بارے میں ایک تبلیغی برادر کو خط میں تحریر فرمایا ”یکسوئی اور انہماک سے اپنے کام میں مشغول رہیں دوسرے سے مناظرہ اور اس پر تنقید اور اس کے ساتھ الجھنے کی ہرگز کوشش نہ کریں اگر کوئی کام پر اعتراض کرے تو ان سے کہہ دیں کہ مرکز سے مراجعت کریں ہم لوگوں کو معتمد علماء نے یہی



بتلایا ہے جن پر ہمیں اعتماد ہے، نیز درود شریف کی کثرت کا اہتمام کریں۔“ (سوانح حضرت شیخ)  
 حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کے زمانہ امارت اور دوران سرپرستی شیخ تقسیم ہند کا واقعہ  
 حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی وفات کے بعد گویا حضرت شیخ دعوت و تبلیغ کے سرپرست کی  
 حیثیت رکھتے تھے، اسی دوران ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا واقعہ پیش آ گیا یہ حضرت جی مولانا محمد  
 یوسف صاحبؒ کی امارت کا زمانہ تھا، اس خطرناک موقع پر حضرت شیخؒ نے جس سمجھداری،  
 حوصلہ مندی اور واقعتاً بڑے پن کا ثبوت دیا وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جا چکا ہے، ہم  
 یہاں صرف اس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور یقیناً اس کے بغیر حضرت شیخؒ  
 کے حالات تشنہ رہیں گے، چنانچہ زمانہ قریب کے مورخین نے اس حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے  
 اس کی تلخیص پیش کی جاتی ہے:

”شخصیتیں اپنے ظاہری ہیئت اور چہرے بشرے سے نہیں پہچانی جاتیں، بلکہ اپنے فکری  
 اور عملی سرمایے کی بنیاد پر اپنی شناخت قائم کرتیں اور تاریخ کے صفحات میں اپنا نام درج کراتی  
 ہیں۔

علمائے دین کی صف میں ممتاز اور برصغیر کے مشہور محدث شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد  
 زکریاؒ کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو حالات حاضرہ پر درک حاصل تھا اور وہ  
 پیچیدہ سیاسی معاملات میں بھی بڑی چچی تلی رائے دیا کرتے تھے، تو بے جا نہ ہوگا۔ شیخ الحدیثؒ  
 سیاست کے کوچہ نور دو نہ تھے، لیکن اپنے زمانے کے حالات اور سیاسی نشیب و فراز پر گہری نظر  
 رکھتے تھے۔ ان کا عصری شعور بالیدہ اور سیاسی بصیرت انتہائی پختہ تھی۔ جب کانگریس اور لیگ  
 کے اختلافات نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ اکابر کی پگڑیاں بھی بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اچھالی  
 جانے لگیں تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)  
 کے نام سے مختصر سا رسالہ لکھ کر سیاسی اختلافات کی نوعیت اور اختلافات کے حدود کی توضیح  
 و تشریح کی۔ یہ کتاب عوام اور خواص دونوں میں بے حد مقبول ہوئی، اس کی مقبولیت اور اثر  
 انگیزی کا یہ نتیجہ تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سفر و حضر میں اس کو اپنے ساتھ  
 رکھتے تھے۔ انھیں کانگریس اور لیگ کے درمیان کے اختلافات کے اسرار و غموض سے گہری



واقفیت تھی۔ دو قومی نظریہ کیا ہے، لیگیوں اور کانگریسیوں کا مطالبہ کیا ہے، وہ کن ریاستوں کو ایک آزاد و خود مختار اسلامی ملک جب کہ کانگریسی سیکولر ملک کے طور پر ایک اسٹیٹ کا روپ دینا چاہتے ہیں اور قومیت و وطنیت کی سیاسی بحث کیا ہے، یہ اور اس قسم کے سارے سیاسی تنازعات اور معاصر بحثوں کا تازہ مطالعہ رکھتے تھے۔ وہ میدان سیاست میں ہونے والی بے راہ روی، بے جا جوڑ توڑ اور بے اعتدالی کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ کر نظر انداز کرنے کی روش کو قوم و ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت کے نامور سیاست دان علماء سے گہرے مراسم رکھتے تھے اور انھیں اپنے نیک مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کے حامی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ایک قومی نظریے کے مبلغ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی دونوں سے رابطے اور مشاورت میں رہتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے عم محترم اور بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی وفات کے بعد اکثر پورا رمضان نظام الدین میں معتکف رہا کرتے تھے۔ جس سال تقسیم ہند کا لرزہ خیز واقعہ پیش آیا تھا اور پاکستان کا مبارک وجود اس زمین پر نمودار ہوا تھا، اس سال بھی حضرت شیخ الحدیث مرکز تبلیغ بنگلہ والی مسجد نظام الدین نئی دہلی میں رمضان المبارک کی مقدس ساعات گزارنے کے مقصد سے موجود تھے۔ اتفاق سے اس سال حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء اور اہل خیر حضرات نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں رونق افروز تھے۔ حضرت شیخ الحدیث تقسیم ہند کے بعد بڑے پیانے پر تبادلہ آبادی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی خوں ریزی کے چشم دید شاہد رہے۔ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب قدر میں ۱۲ بجے تقسیم ہند کا واقعہ رونما ہوا تھا، اور دہلی کے کوچ و بازار اور چوک چوراہوں پر قتل و خون کا وہ رقص کیا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث عید کی نماز پڑھنے کے بعد اس ہمہ ہی کے عالم میں اپنے وطن مالوف سہارنپور بھی نہیں جاسکے۔ اور یہ سلسلہ کچھ اس قدر دراز ہوا کہ انھیں نظام الدین میں تقریباً چار مہینہ خوف و دہشت کے سائے میں محبوس رہنا پڑا۔ انھوں نے دہلی میں رہ کر جو کچھ بھی دیکھا، اس کو اپنی



آپ بیتی میں ایک تاریخی وراثت کے طور پر بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد رونما ہونے والی لوٹ مار، قتل و غارت گری اور انسانی جانوں کے اتلاف پر مؤرخین نے بھی خامہ فرسائی ہے، اردو ادیبوں اور قلم کاروں نے بھی اپنے فن کی وساطت سے روشنی ڈالی ہے، کئی ناول اور سینکڑوں افسانے پاک و ہند کے ادیبوں نے لکھے ہیں، لیکن ان واقعات کو پڑھنے کے بعد اس واقعے کی صحیح تصویر نہیں اُبھرتی، ظاہری بات ہے کہ ان میں سے اکثر تحریریں مشروط ذہن اور متعین دائرے میں رہ کر لکھی گئی ہیں، لیکن حضرت شیخ نے اپنی مشہور زمانہ آپ بیتی نمبر (۵) کے ساتویں باب تقسیم ہند میں جو کچھ اپنے مشاہدے اور ذاتی واقعات کی بنیاد پر لکھا ہے، اس پر ایمان نہ لانا علمی اور تاریخی بددیانتی کے مترادف ہوگا۔

یہ بات تاریخ کے اوراق میں درج ہے کہ حضرت شیخ کو دونوں کی طرف کی شدت پسندی سے سخت نفرت تھی، وہ جس طرح لیگیوں کے بے جا اصرار اور ایک دوسرے کی تفسیق و تھلیل پر خشمگیں ہوتے تھے، اسی طرح کانگریس کی منافقانہ اور مسلم مخالف پالیسیوں کو بھی مذمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ کانگریس کی طرف سے مسلمانوں کے تعلق سے برتے جانے والے امتیازات اور تعصبات کی بناء پر لیگیوں کے مطالبے کو صحیح ضرور مانتے تھے، لیکن ان کے انداز اور احتجاج کے غیر اسلامی طور طریق کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سرگرم سیاست سے عدم تعلق کے سبب چونکہ کسی فریق کی طرف داری کے قائل نہ تھے، اس لیے وہ اخیر تک اعتدال اور سیاسی توازن کا دامن تھامے رہے، اُن کا تعلق پاکستان کی تحریک اور متحدہ ہندوستان کے حوالے سے اس وقت کے دو اکابر حضرت تھانوی اور حضرت مدنی دونوں سے تھا۔ کچھ لوگ اس فراق میں بھی رہے کہ انھیں بھی اس وقت کی سیاست کے شعلوں میں جھونک دیا جائے، مگر وہ اس میدان خاوار سے دور، سلوک و عرفان اور تقویٰ و طہارت کی محفل جمائے بیٹھے رہے کہ اس وقت کے حالات کی نزاکت کا مطالبہ یہی تھا۔

قیام پاکستان کے بعد تبادلہ آبادی کا جاں گسل مرحلہ اور خوف و دہشت کے عالم میں سرحدوں کے پار جانے کی کما اور کیفاً صحیح صورت اگر اس وقت کا کوئی شخص زندہ ہو تو بتا سکتا ہے۔ ورنہ اسے صرف تاریخ کی کتابوں میں پڑھا جاسکتا ہے۔ نظام الدین اسٹیشن سے ہردن



مغرب کے بعد ایک اسپیشل ٹرین جایا کرتی تھی۔ نظام الدین کی مسجد ظہر بعد سے بھرنی شروع ہو جاتی تھی۔ ہر طرف آدمیوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ ہر طرف انسانی سر نظر آتے تھے اور ہر شخص بدحواسی کے عالم میں حیرت اور مایوسی کی تصویر بنا نظر آتا تھا۔ لیکن یہ ساری چہل پہل بس عصر تک کی مہمان ہوتی تھی اور عصر کے بعد پورا انسانی قافلہ اس طرح نظام الدین اسٹیشن کی طرف رواں دواں ہو جاتا تھا کہ سورج غروب ہونے تک، پوری مسجد بالکل خالی ہو جاتی تھی اور ہر طرف ہو کا عالم چھا جاتا تھا۔ آپ بیتی میں یہ لکھا ہے کہ ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور مانو حشر نشر کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا کہ اس دن آدمی کو اپنے بھائی، باپ اور بیوی اور اپنی اولاد تک کی فکر نہ ہوگی، بس اس کو اپنی جان کی فکر ستار ہی ہوگی۔ تقسیم ہند کے بعد کم از کم دہلی کے کوچہ و بازار میں یہی منظر تھا۔ نظام الدین اسٹیشن سے اسپیشل کے روانہ ہونے کے بعد وہاں کے پلیٹ فارم پر لاوارث شیرخوار بچوں کی ایک بڑی تعداد پائی گئی۔ دراصل اس وقت تمام تر تحفظاتی یقین دہانی کے باوجود اپنی جان اور مال کے حوالے سے بے یقینی کی ایک مہیب اور خوفناک فضاء قائم تھی۔ ہر طرف قتل، لوٹ مار اور عزت و آبرو کی پامالی کے مناظر چھائے ہوئے تھے۔ عدم تحفظ کا سایہ ہر شخص کے سر پر چھایا ہوا تھا، اس لیے وہ بدحواسی کے عالم میں صرف اپنی جان بچالینے کو ہی غنیمت تصور کرتے تھے۔ آپ بیتی کی سطریں اسی سچائی سے پردہ اٹھاتی ہیں، شیخ کہتے ہیں: ”دونوں کی طرف کی ہوا اس قدر خراب تھی کہ جو پولس والے محافظ بن کر یہاں یا وہاں جاتے، تو پیش قدمی نہ سہی، مگر چشم پوشی خوب کرتے تھے۔ چنانچہ اسپیشلوں پر خوب حملے، لوٹ مار ہوتی۔ ۲۲ ستمبر کو جانے والا اسپیشل آٹھ دن میں لاہور پہنچا اور اس پر خوب قتل و غارت ہوا۔ گائے، بھینس، بکریاں، مرغیاں اپنے اپنے گھروں میں بلا کسی انتظام کے ویسے ہی چھوڑ جاتے تھے۔“ مستقبل کے تعلق سے بے یقینی کا سایہ اس طرح تعاقب کر رہا تھا کہ لوگ خون پسینے کی کمائی سے خریدے ہوئے اپنے بیش قیمت سامان اونے پونے داموں فروخت کر کے نقل مکانی پر آمادہ تھے۔ حضرت بیان کرتے ہیں: ”دنیا کی بے ثباتی ہر شخص پر ایسی مسلط تھی کہ بڑے بڑے قیمتی قیمتی برتن تانبے، لوہے کے بہت ہی معمولی پیسوں میں فروخت ہوئے۔ دہلی میں نیلام ہوتے تھے اور تانبے کے برتن بلا



مبالغہ دوڑھائی آنہ سیر فروخت ہوئے۔ رئیس لوگ اپنی کاروں میں نظام الدین اسپشلوں میں سوار ہونے کے لیے جاتے اور کار اسٹیشن پر چھوڑ کر ریل میں سوار ہو جاتے۔“

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنی جان اور مال کے سلسلے میں ذہنوں پر ہر وقت خوف اور اندیشہ سوار رہتا تھا۔ ہند انتظامیہ نے فرقہ واریت کا چولا پہن لیا تھا اور وہ باجوہ سیکولر ہونے کے اکثریت حامی اور اقلیت مخالف ہو گئی تھی، اس لیے مسلمانوں کی خانہ تلاشی کا عمل کبھی بھی شروع ہو جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے فرو ہونے کے بعد ولیم ہنٹر نے جو یہ کہا تھا کہ ”ہندوستانی مسلمان حکومت کے لیے موجب خطر اور باغی ہیں“، یہ الزام ہندوستانی مسلمانوں کے ماتھے پر آج تک چسپاں ہیں۔ مسجد اور مدرسے جو پہلے فرقہ وارانہ اتحاد، محبت دیگانگی اور امن و سلامتی کے پیامبر تھے، یک لخت دشمن قرار دے دیے گئے اور مسجدوں اور مدرسوں کی تلاشی کا ڈرامہ شروع کر دیا گیا کہ نئی انتظامیہ کو یہ شک تھا کہ مسجدوں اور مدرسوں میں فساد پناہ لیے ہوئے ہیں اور وہاں بڑی مقدار میں اسلحے اور گولہ بارود رکھے ہوئے ہیں۔ بنگلہ والی مسجد کی جامہ تلاشی کا سلسلہ تقسیم ہند کے وقت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وقفے وقفے سے بنگلہ مسجد کی تلاشی لی جاتی تھی، بلکہ کئی بار تو بلوائیوں نے اس مسجد پر حملہ کرنے کی بھی تیاری کر لی تھی، مگر نصرت خداوندی ان کے آڑے آئی اور بزرگان دین کی برکت کے طفیل یہ مسجد ان شرپسندوں کی نظروں سے محفوظ رہی۔ حضرت شیخ الحدیث بیان کرتے ہیں: ”تلاشی مکان کی اور مسجد بنگلہ کی اس زمانے میں خوب ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ بہت بڑی گورکھا فوج ہتھیاروں سے مسلح، نہ معلوم ان بیچاروں کو کیا غلط روایات پہنچی تھیں کہ وہ سب آئے، یہ سیہ کار مسجد میں تھا۔ وجعلنا من بین ایدیہم سدا ومن بین خلفہم سدا فاغشیناہم فہم لا یبصرون، یہ آیت اتنی کثرت سے زبان پر بے اختیار جاری ہوئی کہ تعجب ہوا۔ دس پندرہ آدمی اوپر نیچے چھتوں کی تلاشی لیتے رہے، مگر کسی چیز کو چھیڑا تک نہیں، معلوم نہیں کہ نظر نہیں آئی، یا کوئی اور بات پیش آئی۔ کئی مرتبہ نظام الدین کی مسجد بنگلہ (مرکز تبلیغ) پر حملے کی موثق روایات بھی سننے میں آئیں، مگر ہر مرتبہ اللہ جل شانہ نے اس قدر مدد فرمائی کہ مغرب کے وقت سے جو بارش اولوں کا زور شروع ہوتا تھا، تو سارے راستے مسدود



ہو جاتے تھے۔“ خدائی مدد پر مشتمل ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ایک فساد یوں کا ہجوم بھوگل کی طرف سے حملے کے لیے آیا، لیکن ایک دم ہی بھاگ گیا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی۔ انھوں نے کہا کہ یہاں کے زندہ تو زندہ مردے بھی لڑتے رہتے ہیں اور مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ جب ہم مسجد بنگلہ کے قریب پہنچے تو قبروں سے مردے اٹھتے ہوئے نظر آئے۔ اس لیے ہم واپس ہو گئے۔“ بنگلہ والی مسجد پر حملے اور قبضے کا خوف اس قدر زعمی داروں میں سمایا ہوا تھا کہ وہ لوگ بار بار کے اصرار کے باوجود پرانی دہلی منتقل ہونے کے حامی نہ تھے۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے جو اس وقت سیاسی حلقوں میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے، کئی بار چاہا کہ مرکز کے ذمے داران نظام الدین چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ منتقل ہو جائیں، مگر مولانا محمد یوسف صاحب نقل مکانی کو بالکل تیار نہ تھے۔ صحیح کہا گیا ہے کہ ”وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے۔“ بیان کرتے ہیں: ”مولانا حفظ الرحمن صاحب کئی مرتبہ سرکاری ٹرک لے کر ہم لوگوں کو دہلی (پرانی) لے جانے کے واسطے نظام الدین پہنچے۔ مولانا محمد یوسف کی رائے منتقل ہونے کی بالکل نہ تھی۔ کہتے تھے کہ اگر اس کو خالی کر دیا اور اس پر پناہ گزینوں نے قبضہ کر لیا تو پھر یہاں منتقل ہونا مشکل ہو جائے گا۔“

تقسیم ہند کے بعد پاکستان آنے والے مسلم قافلوں پر تو شری پسندوں کی نظر تھی ہی، وہاں رہ جانے والے اور ہندوستان کو ہی اپنا مستقل ملک تسلیم کرنے والے مسلمانوں کی جانوں پر بھی ہر وقت خطرے کی تلوار لٹکی رہتی تھی۔ دہلی اور آس پاس کے علاقے میں اس قسم کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے تھے اور اس علاقے میں چلنے والی ریل گاڑیوں اور اور بسوں نیز ذاتی گاڑیوں پر بھی شری پسند گھات لگائے رہتے تھے اور موقع ملتے ہی ان پر حملہ کر دیتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث تقریباً چار مہینے نظام الدین میں محبوس رہے، اس دوران ان کے گھر والوں کو ان کی فکر ستانے لگی تو وہ ان کی خبر لینے کے لیے دہلی آئے، لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ان لوگوں کو راستے میں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شیخ الحدیث کی زبانی سنئے: ”بھائی محمود اور مولوی عبد المجید صاحب ۳ رشتوال کو میری خبر لینے کے واسطے ساڑھے چار بجے والے ایکسپریس سے دہلی پہنچے۔ گھورا گھاری تو اس گاڑی پر بھی ہوئی اور ان کے ڈبے کو بھی فساد یوں نے گھورا



اور نعرے بھی لگائے۔ اس کے بعد جو گاڑی چھ بجے سہارن پور سے چلی، اس پر دورالہ کے اسٹیشن پر قتل عام ہوا اور اس کے بعد سے سہارن پور تک دہلی کا راستہ بالکل بند ہو گیا۔“

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ شیخ کو سرگرم سیاست اور موقع پرست سیاست دانوں سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ نہ تو کسی فریق کی حمایت کے قائل تھے اور نہ کسی فریق کی مخالفت ان کا مقصد تھا۔ اگر کوئی ان سے پاکستان جانے کی اجازت مانگتا، تو وہ کسی طرح مزاحمت یا مخالفت کا رویہ نہ اپناتے۔ اس کے برخلاف شیخ کے چچا زاد اور عزیز داماد مولانا محمد یوسف صاحب اپنی رائے کو حضرت شیخ کی رائے پر موقوف رکھتے تھے، حضرت شیخ پر جب لوگوں نے مسلسل یہ دباؤ ڈالا کہ وہ بھی پاکستان چل چلیں تو انہوں نے اپنے دو بزرگ حضرت مدنی اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی رائے پر سب کچھ موقوف کر رکھا تھا۔ الغرض حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ حضرت شیخ پر بھی زور ڈالا جا رہا تھا کہ ہندستان کے پرخطر حالات میں نہ رہیں اور پاکستان ہجرت کر جائیں۔ کوئی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے پاکستان نقل مکانی کرنے کا سوال رکھتا تو وہ سارا معاملہ شیخ پر چھوڑ دیتے، کہتے ہیں: ”عزیز مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک جواب تھا کہ اگر بھائی جی (شیخ) تشریف لے جاویں گے، تو میں بھی جاؤں گا، ورنہ نہیں۔ ان کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی ہر وقت یورش رہتی۔ دہلی اور اس کے علاوہ کے احباب ہر وقت مصر رہتے کہ یہ ناکارہ بھی جلد پاکستان جانے کا فیصلہ کر لے۔ اور میرا صرف ایک جواب تھا کہ میں جب تک اپنے دو بزرگ حضرت اقدس مولانا مدنی اور مولانا رائے پوری نور اللہ مرقدہما سے مشورہ نہ کر لوں، اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔“

پاکستان آنے والوں کا اصرار تھا کہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب پاکستان تشریف لے آئیں تاکہ پاکستان جانے والے مسلمانوں کے جم غفیر کی اصلاح اور ان کی باطن کی درستی کا کام کریں۔ کئی بار تو بعض مخلص دوستوں نے مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے سارے متعلقین کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی بنوا کر بھیج دیا کہ جب سارے مسلمان پاکستان جا رہے ہیں اور دہلی اور یوپی کا علاقہ مسلم آبادی سے خالی ہوتا جا رہا ہے، تو پھر اس بنجر زمین پر دعوت کا کام بار آور نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت مولانا یوسف صاحب کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ



حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن مدظلہ العالی نے دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کے دور رس اور عالمگیر نتائج کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے، اگر ہند کو چھوڑ دیا گیا تو یہاں دعوت کا کام دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا۔

شیخ چار مہینے نظام الدین میں محبوس رہنے کے بعد ۱۹۴۷ء نومبر ۱۹ء کو حضرت مدنی کے سرکاری ٹرک پر مظفر نگر کے راستے سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہر جگہ کریو کا منظر تھا۔

سہارنپور پہنچ کر حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت شیخ الحدیث کے درمیان مشورہ اور حالات حاضرہ پر بصیرت افروز بات چیت ہوئی، فرداً فرداً حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث کی رایوں کو سننے کے بعد کہ یہ دونوں حضرات بھی متعلقین اور احباب کے بے پناہ اصرار پر گوگو کی کیفیت کا شکار تھے اور پاکستان منتقلی کو مناسب اور ضروری خیال کر رہے تھے، حضرت مدنی نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: ”ہماری اسکیم تو فیل ہو گئی، ورنہ نہ تو یہ قتل و غارت ہوتا اور نہ یہ تبادلہ آبادی ہوتا۔ (حضرت مدنی کا فارمولہ یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں، داخلی امور میں سب خود مختار، خارجی امور فوج، ڈاک خانہ وغیرہ سب مرکز کے تحت۔ مرکز میں ہندو مسلم سب برابر ہوں گے، ۴۵، ۴۵ فیصد، اور ۱۰ فیصد جملہ اقلیتیں) اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا۔ اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور محمود وہاں بلانے پر اصرار بھی کر رہا ہے، مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل و غارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔ اور جسے اپنی جان و مال، عزت و آبرو، دین اور دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو، وہ یہاں ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے۔ حضرت مدنی کے ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت کے ہی ساتھ ہوں۔ حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں کو چھوڑ کر میرا جانا بھی مشکل ہے۔“

پاکستان تو بن گیا تھا اور جو مسلمان یہاں آ گئے ان کا تو دنیا و دین محفوظ ہو گیا لیکن جو مسلمان ہند میں رہ گئے تھے ان کے لیے اگر یہ اکابر صحیح وقت پر ہندستان کی سرزمین پر ہی قیام کرنے کا فیصلہ نہ کرتے تو پورے ہندستان میں علم و دین اور دعوت و تبلیغ کے مراکز، خانقاہوں اور مدارس اسلامیہ کی کیا تاریخ ہوتی، اور وہاں رہ جانے والے مسلمانوں کے سروں پر کیسی کیسی قیامتیں گزرتیں، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر انھوں نے ان لمحوں میں خطا کی ہوتی،



تو ہندوستان علم دین اور دعوت و تبلیغ کے مراکز سے خالی ہو جاتا اور ہندوستانی مسلمانوں کی دینی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ آج جب کہ ہر طرف اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ مسخ کی جا رہی ہے، ہمیں حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت رائے پوری، حضرت شیخ اور حضرت جی مولانا محمد یوسف جیسے تعمیری اور مثبت سوچ کے حامل قائدین کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔“

بہر حال حضرت شیخ الحدیث صاحب وفات سے چند سال قبل ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں شاہ فیصل شہیدؒ نے آپ کو سعودی عرب کی شہریت بھی دی۔ آپ نے مہاجر مدنی بن کر وہیں قیام کیا اور پوری دنیا سے آنے والے مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ یہی عشق نبوت کا آفتاب و ماہتاب اپنی جلوہ افروزی دکھا کر ۱۹۸۲ء میں مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین میں ہمیشہ کے لیے لاکھوں مسلمانوں کو جنت کا راستہ دکھانے کے بعد غروب ہو گیا، مدینہ منورہ کے جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں پانچ صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی ہیں۔

(مزید دیکھئے: سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ، از مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

حضرت مولانا صاحبزادہ محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم: پیدائش: ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ، ۲۸ مئی ۱۹۴۱ء بروز شنبہ، بمقام نظام الدین نئی دہلی۔ اولاً قرآن پاک حفظ کیا، جو کہ نظام الدین اور سہارنپور دونوں جگہ ہوتا رہا، چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ چھ ماہ سہارنپور رہتی تھیں اور چھ ماہ نظام الدین اس لیے جہاں قیام ہوتا تھا وہیں تعلیم ہوتی تھی۔ نظام الدین قیام کے دوران وہاں کے حفظ کے اساتذہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی، پھر تلك الرسل کا پارہ سہارنپور میں بڑے بڑے اکابر سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ صبح حضرت شیخ کی تصنیف کے وقت میں گھر کی چھت پر حضرت سے پڑھتے، تیسرے گھنٹہ میں صدر مفتی جامعہ مظاہر علوم حضرت مفتی سعید احمدؒ سے دارالافتاء میں پڑھتے اور پھر حضرت الحاج حافظ صدیق احمد صاحب مرزا پوریؒ سے پڑھتے، بعد ازاں مکمل حفظ جناب الحاج حافظ صدیق صاحب کے پاس ہی کیا۔ حفظ کا اختتام ۱۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو رائے پور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلس مبارک میں ہوا، پہلی محراب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو مسجد شاہ جی والی دہلی میں سنائی، ختم کے دن کی آخری دو



رکعتیں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے سامنے اُن کے حجرہ کے پاس آ کر پڑھیں وہیں ختم قرآن ہوا۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ (۵ دسمبر ۱۹۵۶ء) کو سہارنپور میں فارسی تعلیم کا آغاز ہوا، یکم شعبان ۱۳۷۶ھ میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی ابتدائی تعلیم کے لیے نظام الدین گئے، وہاں حضرت شیخ کے حکم سے مختلف اساتذہ سے مسلسل چھ سال تعلیم حاصل کر کے ۱۳۸۱ھ میں واپس سہارنپور آئے، (اُس چھ سالہ قیام میں ہر ماہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ سہارنپور تشریف لاتے) اور جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر شرح جامی، ہدایہ اولین، مقامات حریری وغیرہ پڑھیں، دورۂ حدیث آپ نے ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں پڑھا، بخاری شریف آپ نے حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے، ترمذی و مسلم حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی سے، ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلوی سے اور طحاوی شریف حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ دینی تعلیم سے فراغت پا کر مولانا محمد ہارون کاندھلوی اور مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی کی معیت میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے۔ اور پھر حضرت رائے پوری کی وفات کے بعد اپنے والد حضرت شیخ کی سرپرستی میں رہ کر ذکر و شغل میں مستعدی کے ساتھ مصروف ہوئے۔ اس سلسلہ میں آپ خود لکھتے ہیں:

”حضرت رائے پوری کے انتقال کے بعد حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے معمولات کے متعلق ایک مدت کے بعد مولانا منور حسین صاحب کے متوجہ کرنے پر ذکر کی اجازت لی۔ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

”ہاں پیارے! ضرور شروع کر لے اور صبح کو جب میں اُوپر دارالتصنیف جاؤں گا تب پوچھ لیجئے۔“

دارالتصنیف میں خود اپنی جگہ بیٹھ کر طریقہ ذکر بتلایا اور یہی تجدید بیعت کے مترادف ہو گیا۔

جو باتیں دریافت طلب ہوتی تھیں خود پوچھ لیا کرتا تھا باقاعدہ سلوک کے ذیل میں خط و کتابت کی نوبت نہیں آئی۔ جس نوعیت کا تعلق میرے دادا جان نور اللہ مرقدہ کا میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ رہا اسی طرح کا تعلق حضرت والد صاحب نور اللہ



مرقدہ کا میرے ساتھ رہا، اس قسم کے واقعات سے پوری آپ بیتی بھری پڑی ہے۔ البتہ میرے دادا جان نور اللہ مرقدہ کا معاملہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ۱۸ سال کی عمر میں ختم ہو گیا تھا، مگر میرے ساتھ یہ معاملہ ذرا لمبا چلا۔“ (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء ۱۰۶)

ماہ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ میں حضرت شیخ نے خلافت عطا فرمائی، اور وہ عمامہ آپ کے سر پر رکھا جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نے حضرت شیخ کو اجازت کے وقت مدینہ طیبہ میں مرحمت فرمایا تھا۔ جب سے حضرت شیخ کے حجاز مقدس کے اسفار شروع ہوئے اس وقت سے حضرت شیخ کی نیابت کرتے ہوئے بہت اہتمام سے مجلس ذکر اور رمضان میں حضرت شیخ کی طرز پر اعتکاف کرواتے رہے، جب حضرت شیخ کو اس کی اطلاع ہوتی تو مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

پھر جب آپ کو اجازت مل گئی تو حضرت شیخ بیعت کے الفاظ آہستہ آہستہ کہلواتے اور آپ وہی الفاظ زور زور سے کہلواتے، پھر کچھ عرصہ بعد عورتوں کی بیعت آپ کے ذمہ کر دی اور وصال سے چند سال قبل مردوں کی بیعت کے لیے بھی آپ کو حکم ہوا کرتا۔

حضرت شیخ کی وفات کے بعد شوال ۱۴۰۲ھ میں اُن کی جگہ جامعہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی بھی آپ سے بڑی محبت فرماتے، انہوں نے آپ کا نام پیر صاحب رکھ دیا تھا، بوجہ اس واقعہ کے کہ ایک مرتبہ آپ بچپن میں کتب خانہ پر بیٹھے حضرت شیخ کو دیکھا دیکھی بطور کھیل بچوں کو بیعت کر رہے تھے، اتنے میں حضرت مدنی تشریف لے آئے، اور آپ کو بچوں کو بیعت کرتے دیکھ کر فرمایا ”مجھے بھی بیعت کر لیں“ آپ نے بلا توقف کہہ دیا ”آجائیں“ اور حضرت مدنی کو بیعت کر لیا، جب حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فرمایا ”طلحہ! تجھ سے چوک ہو گئی ایک چلہ ہی اُن سے مانگ لیا ہوتا۔“

”مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ پر شروع سے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور حضرت شیخ کے یہاں تشریف لانے والے اکابر و مشائخ کی خاص نگاہ شفقت تھی، اور بعض اوقات حضرت رائے پوری نے اُن کی خاطر اپنے اسفار ملتوی فرمادیے اور فرمایا کہ ”طلحہ نے مجھے روک لیا۔“



اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتظامی صلاحیت، توازن و اعتدال، تواضع اور خدمت کا جذبہ اور اصابتِ رائے کا جو ہر عطا فرمایا ہے، جو ان کی پوری میراث بھی ہے۔ حضرت شیخ کے سہارنپور میں رمضان گزارنے کے آخر میں وہی بڑے محرک تھے، شیخ سے تعلق رکھنے والوں اور جن سے شیخ کو تعلق تھا کے مراتب کو وہ دوسروں سے زیادہ پہچانتے ہیں اور اسی کے مطابق ان سے معاملہ کرتے ہیں، شیخ نے ان کی خصوصی تربیت فرمائی اور امکانی حد تک اُن کے اندر صاحبزادگی اور مخدومیت کی بونہیں پیدا ہونے دی، اسی لیے اُن کے دوروں اور شیخ کے اہل تعلق میں جانے کو ہمیشہ ناپسند کرتے رہے اور وہ خود بھی اس سے محترز رہے، شیخ کے آخری زمانہ قیامِ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مع والدہ صاحبہ کے ان کو حضرت شیخ کے پاس پہنچا دیا اور اُن کی خدمت کا پورا موقع دیا، شیخ کی وفات پر انہوں نے اسی صبر و تحمل اور وقار و سکینت کا مظاہرہ کیا اور دوسروں کے لیے باعثِ تقویت و تسلی بنے، جیسے خود حضرت شیخ اپنی زندگی میں تعزیت کرنے والوں کے لیے بن جاتے تھے۔“

(تذکرہ مولانا زبیر الحسن کا ندھلوی، محمود حسن حسنی ندوی)

### دعوت و تبلیغ سے تعلق:

اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم خود تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے بارہا تبلیغی اجتماعات میں شرکت پر تحریری اور زبانی مسرت کا اظہار فرمایا اور میرے اجتماعات میں جانے پر اوروں کے نام خطوط میں بھی مسرت کے ساتھ دعائیں تحریر فرمائیں۔“

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے مدینہ طیبہ آجانے کے بعد علاقہ کے ہر اس اجتماع میں جس میں حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کا ندھلوی کی شرکت ہوئی بندہ کی شرکت بھی ضرور ہوئی، اس کے علاوہ دور دور کے اجتماعات میں بھی شرکت رہی ہے۔“

(حضرت شیخ اور ان کے خلفاء ۱۰۶)

آپ کا نکاح مورخہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت رائے پوریؒ کی مجلس میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب نے حضرت مولانا افتخار الحسن کا ندھلوی مدظلہ کی صاحبزادی سے پڑھایا، (اس مجلس میں تین نکاح ہوئے ایک آپ کا، دوسرا مولانا



ہارون صاحب کا تیسرا مولانا عاقل صاحب کا) اس وقت تک کوئی اولاد نہیں، اس وقت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست اور خانقاہ رشیدیہ خلیا پور کے سجادہ نشین ہیں، تبلیغی کام کی بھی سرپرستی فرماتے ہیں، حق تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت باکرامت رکھیں۔

(مزید دیکھئے حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء، از مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

## دعوت و تبلیغ کے امیر ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے خلیفہ مجاز، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کے محبوب داماد اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے سفر و حضر کے رفیق حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی اس تحریک کے امیر بنے جن کے دورِ امارت میں چہار دانگ عالم میں اس تحریک کے ذریعے اللہ نے دین کو پھیلا دیا۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا اکرام الحسن کے گھر میں ۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء بروز بدھ کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کاندھلہ میں حافظ منگٹو صاحب سے حفظ کیا۔ ابتدائی فارسی تعلیم اپنے نانا حکیم عبدالحمید صاحب سے حاصل کی۔ عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ سے بستی نظام الدین میں حاصل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور متوسط درجے کی کتابیں پڑھیں۔ جلالین، مشکوٰۃ شریف، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ مدرسہ کاشف العلوم میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ اور مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ مگر حضرت مولانا محمد یوسف کی بیماری کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے اور نظام الدین آ کر بقیہ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے پڑھ کر مکمل کیں، ۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں حضرت شیخ کی صاحبزادی ذاکرہ صاحبہ سے نکاح ہوا، نکاح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے پڑھایا۔ ۱۳۵۶ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ پہلا حج کیا، پھر



حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے ساتھ حضرت شیخ کے حکم سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۴۴ء کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اپنی وفات سے دو روز قبل خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے امیر بنائے جانے کے بعد ہر وقت سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے، ۱۹۵۵ء میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی سرپرستی اور مولانا محمد یوسفؒ کی رفاقت میں دوسرا حج کیا۔ ۱۹۶۴ء میں حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ تیسرا حج کیا۔ اپریل ۱۹۶۵ء میں تبلیغ کے عالمی امیر مقرر ہوئے اور ساتھ ساتھ مدرسہ کاشف العلوم دہلی کے شیخ الحدیث بھی، اور یہ ذمہ داریاں تادمِ آخر نبھاتے رہے، اسی دوران حیاۃ الصحابہؓ پر حاشیہ لکھا، بخاری کے ابواب و تراجم پر عرق ریزی سے کام کیا۔ ۱۹۶۷ء میں حضرت شیخ کے ساتھ چوتھا حج کیا، اس کے بعد ایک سال چھوڑ کر ہر دوسرے طاق سال، حج کا معمول بنایا، ۱۳۸۶ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست منتخب ہوئے۔ ۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے محبوب صاحبزادے حضرت مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ نے جنازہ پڑھایا، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا الیاسؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی وفات پر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اپنے تعزیتی شذرہ میں لکھتے ہیں:

”بمبئی میں سکون و راحت کے ساتھ قیام تھا کہ محرم ۱۴۱۶ھ کی دسویں تاریخ کو (۱۰ جون کی شب) میں ساڑھے تین بجے یہ عاجز غسل خانہ سے وضو کر کے نکلا تھا کہ اس نے دیکھا کہ بھائی اسماعیل منصوری (جو بمبئی کے قیام میں خاص رفیق اور معاون کاررہتے ہیں) ٹیلیفون کا ریسورہاتھ میں لیے کھڑے ہیں، ایسے ناوقت ٹیلیفون لیے کھڑے ہونے پر دل و دماغ پر ایک دھکا سا لگا اور پوچھا کہ خیریت ہے؟ انہوں نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا ”حضرت جی (مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی) کا انتقال ہو گیا“ ایسا معلوم ہوا کہ دل و دماغ پر بجلی گری، راقم اور اس کے رفقاء اور خاص طور پر رفیق عزیز و مکرم مولوی معین اللہ صاحب لرزہ بر اندام اور ششدر رہ گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس خبر کے آنے سے (جو غالباً جو گیشوری کے راستے سے پہنچی جہاں شہر کا بڑا تبلیغی مرکز ہے) دو ہی ایک گھنٹہ پہلے یہ حادثہ پیش آیا۔



۱۸ جون کو دہلی پہنچے اور تعزیت کے لیے حاضری پر معلوم ہوا کہ رات میں تقریباً ڈیڑھ بجے قلب پر درد کا حملہ ہوا اور راستے میں موٹر یا ہسپتال پہنچ کر حادثہ پیش آیا، جہاں امراض قلب کے ماہر خصوصی ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب نے اس کی اطلاع دی، صبر و رضا بالقضا کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مگر اعصاب پر سخت اثر پڑا، دن میں اگرچہ بمبئی سے جماعت تبلیغ اور اہل تعلق کی اچھی تعداد تدفین میں شریک ہونے اور تعزیت کے لیے ہوائی جہازوں سے روانہ ہو گئی، لیکن یہ خاکسار اپنی صحت کی کمزوری اور معذوریوں کی بناء پر سفر نہیں کر سکا، اس نے اسی روز صبح کو ایک اطلاعی اور تعزیتی پیغام لکھ کر بمبئی کے اردو اخبارات کو اور فیکس کے ذریعے دہلی و لکھنؤ کے اخبارات کو بھیج دیا اور عزیز گرامی قدر مولوی محمد زبیر الحسن فرزند حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے نام لکھ کر حاجی عبدالکریم صاحب کے حوالے کیا۔ یہ پیغام تعزیت و اظہار تائثر جو اخبارات میں چھپا یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

”خاکسار تقریباً دو ہفتے سے بمبئی میں آرام اور بعض تحریری و تالیفی کاموں کی تکمیل کے لیے مقیم تھا کہ آج میں ۳:۳۰ بجے کے قریب ٹیلیفون کے ذریعے حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ دہلی کی وفات کا اچانک علم ہوا، جو کچھ وقت پہلے عارضہ قلب میں وفات پا گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا کو اب رحمۃ اللہ علیہ سے یاد کیا اور لکھا جائے گا، اس وقت عالم اسلام کی سب سے وسیع، مقبول، مؤثر اور محیر العقول تحریک و دعوت کے امیر و قائد اور داعی و مبلغ تھے، جس تحریک نے لاکھوں آدمیوں اور ہزاروں گھرانوں اور کنبوں میں دینی و اصلاحی اثرات پیدا کر دیئے، ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کو وقت اور اپنے مشاغل اور مرغوبات کی قربانی دینے پر آمادہ کیا اور ان کو دین کی دعوت پہنچانے، دین سے ضروری واقفیت حاصل کرنے اور اُس کے لیے قربانی دینے پر آمادہ کر دیا، ممالک اسلامیہ و عربیہ، ہندوستان، پاکستان، ترکی اور عرب ممالک سعودیہ عربیہ، خلیج مصر و شام، مراکش کے علاوہ یورپ و امریکہ، شمالی جنوبی افریقہ، روس ہر جگہ اُن کی جماعتیں اور قافلے نقل و حرکت میں رہتے ہیں اور اُس کے اثرات وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔



مولانا ایک ممتاز عالم دین بھی تھے، جن کی تفسیر و حدیث و فقہ، نصابی کتابوں اور دینی  
 مآخذ پر گہری نظر تھی اور عرصے تک انہوں نے درس بھی دیا تھا، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت  
 اور رفع درجات فرمائے اور اس مبارک تحریک و دعوت کو ان کا اچھا جانشین اور ذمہ دار عطا  
 فرمائے جو اس کو سرگرم عمل رکھے۔

ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ  
 و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

تبلیغ کی عالمگیر اور انقلاب انگیز تحریک؛ اُس کی عظمت و وسعت اور اُس کے  
 محیر العقول نتائج بانی تحریک اور داعی اوّل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ  
 (جن کے حالات و سوانح پر خود راقم کی مفصل و مستند سوانح مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ  
 کے نام سے موجود ہے) کے نائب و جانشین ان کے فرزند عالی مرتبت مولانا محمد  
 یوسف صاحب کاندھلویؒ (م ۲۱ اپریل ۱۹۶۵ء) ہوئے، جو اپنے جوش و اثر آفرینی  
 اور مقبولیت میں اُن کے صحیح جانشین اور آیت من آیۃ اللہ تھے اور جو اگر اللہ کو منظور ہوتا  
 اور اُن کو طویل حیات ملتی تو اس دعوت و تحریک میں مزید ترقیاں اور زمانے کے جائز  
 اور قدرتی تقاضوں کی تکمیل کا سامان ہوتا اور خطرات اور چیلنجوں کے جواب و  
 مقابلے کا سامان بھی کیا جاتا، وہ آخری دور میں غیر مسلموں کو بھی خطاب فرمانے لگے  
 تھے اور عام انسانیت اور ملک کے مفاد میں بھی اُن کی زبان سے موثر اور مفید مضامین  
 نکلنے لگے تھے۔

۲۱ اپریل ۱۹۶۵ء، ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کے بعد جب اُن کی لاہور میں وفات  
 ہوئی اور بہ اتفاق آرا حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی جو اُن کے  
 رفیق کار اور داعی اوّل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے خاص معتمد علیہ  
 اور تربیت یافتہ تھے، امیر منتخب ہوئے، اُن کے زمانہ امارت اور قیادت میں تحریک  
 نے بڑی وسعت و کامیابی حاصل کی اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اُس نے اپنے  
 اثرات دکھائے، اس میں مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی کی استقامت،  
 روح محافظت اور اس جذبے کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصل راستے اور



ابتدائے کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے، اس لیے انہوں نے اس کو انہیں حدود اور دائرہ کار میں رکھا جو ابتدا میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ نے مقرر کر رکھے تھے اور مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی اپنے جوش خطابت اور ورود مضامین کے ساتھ بالعموم اُسی دائرے میں رہتے تھے۔

مولانا کی سوانح حیات اور خدمات پر مستقل تصانیف اور مضامین لکھے جائیں گے اور اس تیز رفتار و طویل سفر کا رواں کو اس منزل پر زیادہ ٹھہرنے اور اُس کا حق ادا کرنے کی استطاعت و مہلت نہیں اور نہ اس سے اس کا حق ادا ہو سکتا ہے، اس لیے یہاں پر اپنی رفاقت اور تعلق کا مختصر اُذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء کے آخر سے جب سے حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے فرزند گرامی اور بعد میں جانشین اوّل مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی اور اُن کے تربیت یافتہ مجاز و معتمد اور فرد خاندان مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے تعارف حاصل ہوا، کچھ علمی و کتابی ذوق، کچھ عمروں کے تقارب اور کچھ اُن دونوں حضرات کی کریم النفسی سے ایک ہی (بالائی) کمرہ میں قیام رہتا تھا اور علمی ذوق کے اشتراک اور درس و تدریس کی مناسبت کی وجہ سے تبادلہ خیال، بے تکلف گفتگو اور علمی مذاکرات رہتے تھے، یہ سلسلہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی وفات کے بعد تک جاری رہا، اس قیام اور تبادلہ خیال اور مذاکرات کی بنا پر اس کا اندازہ ہوا کہ مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی کی اچھی علمی نظر اور فنون و درسیات میں اُن کو ملکہ بد اسخہ حاصل ہے، اُن سے بعض علمی مآخذ و شروح حدیث کی بعض تحقیقات و معلومات کی نشان دہی بھی ہوئی، جن سے فائدہ بھی اُٹھایا گیا، اُن کی اخلاقی و خاندانی خصوصیات و مکارم اخلاق کا بھی تجربہ ہوا، الحمد للہ اُن سے نیاز مندانہ اور مخلصانہ تعلقات اخیر تک قائم رہے اور حاضری اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، وہ اپنی صحت کی کمزوری، مختلف امراض و عوارض کے باوجود دور دراز کے بیرونی ممالک کے تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرمایا کرتے، حجاز مقدس کے سفروں میں بھی جایا کرتے تھے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء



حضرت مولانا محمد زبیر احسن کاندھلویؒ کی سوانح حیات

میں کئی بار تشریف لائے اور تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی، عام طور پر انہیں کی دعا پر

اجتماع کا اختتام ہوتا تھا، رحمہ اللہ و رفع درجاتہ۔“

(پرانے چراغ حصہ سوم، از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندوی رحمہ اللہ)

(مزید دیکھئے: دعوت و تبلیغ کے حضرت جی ثالثؒ، از مولانا محمد شاہد سہارنپوری)



## ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحبؒ

”اگر کروڑوں کے واسطے لاکھوں نہیں اٹھیں گے تو کس طرح کام ہوگا۔ نہ جاننے والے جتنے کروڑ ہیں جاننے والے اتنے لاکھ نہیں“

(ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کے لئے نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی حضور ﷺ خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔ غرض پھرنا اور دین کے لئے جدوجہد اور نقل و حرکت میں رہنا اصل تھا جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہو گئی۔)

(ہمت کو اصل دین کے لئے بلند رکھو، ہمت کو چست کرو، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی روح مبارک اس قدر سرسبز ہوگی کہ خیال و گمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، اور اللہ چاہے ایسی کھلی ترقی دیکھو گے کہ کوئی طاقت اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔)

## ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :

”میرے دوستو! اس (دین) میں کوشش کرنے سے سیکڑوں حضور ﷺ کی سنتیں زندہ ہوں گیں اور ہر ہر سنت پر سو شہیدوں کا ثواب ملے گا تم خود دیکھو کہ ایک شہید کا کتنا بڑا رتبہ ہے۔“



**فرمایا:**

”مسلمان کتنے ہی کم درجے کا ہو عظمت سے اس کی طرف نگاہ کی مشق کرو“

**ایک خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں:**

”دین کو فروغ دینے کی کوشش میں لگنا ہی بلاؤں کو ٹال سکتا ہے اور مقاصد کو تروتازہ کر سکتا ہے، اور اس طرز زندگی سے غافل ہوتے ہوئے بہبودی کا انتظار اور بلاؤں کے کم ہونے کا وہم ایک مجنونانہ اور غلط خیال ہے

میں بہت ہی دل و ایمان سے متنی ہوں کہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ ہمت کو لگا کر یہ دعا کریں میری یہ تحریک سراسر عمل ہو، اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے بلکہ قول اور تقریر قدر ضرورت اعانت کے درجے میں رہے“

**چند میواتی احباب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:**

”میں اپنی قوت اور ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کردوں کوئی اور پونجی نہیں، میرا ہاتھ بٹاؤ۔

**ایک اور خط میں لکھتے ہیں:**

”دنیاوی کاروبار میں مصروف رہنے والے بہترے (بہت سے) ہیں، دین کے فروغ کے لئے گھربار چھوڑنا اس وقت اللہ نے میواتیوں کو نصیب کیا ہے“

**ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:**

”عادت خداوندی عموماً دین میں اپنی جدوجہد کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آدمی کسی مقصد کے لئے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور تکالیف کو جھیلنے کے ذریعہ



اپنے حالات، جوارح قلب اور قوتوں کی شکستگی اور تعب و انکسار کو پہنچتا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوتا ہے ”أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ“ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔“

### ایک گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

”جب تک تبلیغ کے لئے چار چار مہینے ملک در ملک پھرنے کو اپنی قوم میں جزو زندگی بنانے کی کوشش کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگ کھڑے نہیں ہونگے اس وقت تک قومیت صحیح دینداری کا مزہ نہیں چکھے گی اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ اب تک جو مقدار ہے ایک عارضی ہے اگر کوشش چھوڑ دو گے تو قوم اس سے زیادہ گرے گی“

### حجاز سے آپ نے خط لکھا

”تم خیال کر کے دیکھو کہ دنیاوی غرض کی وجہ سے لوگ اپنے اہل و عیال کو کتنی طویل مدت کے لئے چھوڑتے ہیں، خیال کر کے تو دیکھو کہ اس وقت بھی کفار کے لشکر میں ہزاروں مسلمان سر بکف جان خطرہ میں محض ایک پیٹ کے کارن ہر وقت دنیا سے چلے جانے کے لئے موت کے کنارہ پر ہیں، ایسی کم ہمتی ہرگز نہیں چاہئے، تم ہمت اور جوان مردی کے ساتھ خوشی سے میرے دین کی خدمت کے لئے ہجر و فرقت پر راضی ہو کر چھوڑے رکھو تو خوشی کے بقدر اجر و ثواب میں شریک رہو گے دنیا میں غنیمت سمجھو کہ تمہارے گھر والے دین کی خدمت کے لئے تکلیف اٹھا رہے ہیں، شکر کرو اس تکلیف کا جب ثواب ملے گا تو کبھی ختم نہ ہوگا ایک ایک صدمہ باغ و بہار ہو کر ملے“

### ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :



”حق تعالیٰ کے قرب اور اسکی کامل رضا کا سہل اور اقویٰ وسیلہ سمجھ کر ذکر میں مشغول ہوتے ہوئے اور سر بسجود ہو کر دعاؤں کی کثرت کرتے ہوئے آپ اس کام کو کرتے رہیں، اور اسی طرح کرنے کی سب کو تعلیم دیتے رہیں، ذکر اور دعا کی کثرت اسکا پہیا ہے اور اسکی روح ہے“

### ایک کارکن کو تحریر فرماتے ہیں:

”ذکر سے اپنی خلوتوں اور خلوص کے ساتھ اللہ کی نہایت عظمت لیتے ہوئے دعوت الی الحق سے اپنی جلو توں کو مشغول رکھو، ہاری تھکی طبیعتیں مت رکھو، ہشاش بشاش چلتا پھرتا آدمی اللہ کو نہایت محبوب ہے اور اسی کے مقابل آخرت کی فکر میں ملول بھی اللہ کو پسند ہے حضور ﷺ کی غالب عادت رنجیدہ رہنے کی تھی“

### ایک موقعہ پر فرمایا:

”یاد رکھو کوئی عالم علم میں ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ جو کچھ سیکھ چکا ہے دوسروں تک نہ پہنچائے جو اس سے کم علم رکھتے ہیں اور خصوصاً ان تک جو کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، میرا یہ کہنا حضور ﷺ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ بردیگراں پاش کہ حق تو پاشد، کفر کی حد تک پہنچے ہوؤں تک علم پہونچانا اصل علم کی تکمیل اور ہمارا فریضہ ہے اور جاہل مسلمانوں تک علم پہونچانا مرض کا علاج ہے“

### ایک ملفوظ : ”لا یعنی میں اشتغال کام کی رونق کو کھودیتا ہے“

ایک مرتبہ نئے خطوط دیکھے جا رہے تھے ایک پرانا لفافہ ملا جو پڑھا جا چکا تھا، کچھ منٹ اسکی تحقیق میں صرف ہوئے پھر معلوم ہوا کہ وہ پڑھا جا چکا ہے فرمایا اسکو پھاڑ ڈالو ورنہ



”یہ پھر وقت ضائع کرے گا، پھر فرمایا کہ یہی وقت تو ہمارا سرمایہ ہے“

### ایک صاحب کی بیماری کے متعلق فرمایا :

”ایسے زمانے میں کہ روٹیوں کے واسطے جانیں جا رہی ہوں دین کی کوشش میں بخار کا آ جانا کچھ بڑی بات نہیں۔“

”انسان کے لئے مشقت فطری امر ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ۔ (ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے) اگر وہ دین کے کام میں مشقت نہ برداشت کرے گا تو دنیا کے بے ثواب کاموں میں مشقت کرے گا جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے جہاں دنیا اپنے موہوم مقاصد کے لئے اور دنیاوی زندگی کی حقیر چیزوں کے لئے مجنونانہ محنتیں کر رہی ہے وہاں دین جیسی قیمتی اور ثواب آثر جیسی یقینی چیز کے لئے تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لینا کیا وقعت رکھتا ہے۔“

### ایک گرامی نامہ میں یوں فرماتے ہیں :

”جس قوم کی پستی کلمہ لا الہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتداء سے درستی کئے بغیر انتہائی کی درستی کے کب قابل ہو سکتی ہے، انتہا ابتداء کے درست ہوئے بغیر نہیں ہو سکتی اسلئے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دیئے، ابتداء درست ہو کر راستہ پر پڑ جائیں گے تو انتہاء پر خود ہی پہنچ جائیں گے، اور ابتداء کے بگڑے ہوئے انتہا کی درستی کا خیال ہوس اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہیں“

### حضرت شیخ الحدیث کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا :

”میرے دل کی تمنا ہے کہ کم سے کم میرا دماغ اور خیال اور وقت اور قوت اس امر



(دعوت و تبلیغ) کے سوا ہر چیز سے فارغ رہے“

**فرماتے تھے:**

”میرے لئے کسی دوسری چیز سے اشتغال (مشغول ہونا) کب جائز ہے جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کو (مسلمانوں کی موجودہ حالت اور دین کے ضعف و تنزل اور کفر کے غلبہ سے) اذیت ہے“

”ایک روز ایک خادم نے شکایت کی جو شفقت اور نظر خاص پہلے تھی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: میں مشغول بہت ہوں، میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو اذیت ہے میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

”نئی دہلی سے گزرتے وقت محبت مکرم مولانا محمد ناظم صاحب ندوی نے ایک مرتبہ ایک اہم عمارت کو دریافت کیا۔ فرمایا: مولانا! میرے یہ علوم معدوم ہیں“

**فرماتے تھے:**

”کہیں جاؤ تو اپنی بات لیکر جاؤ اور اسکو پیش کرو اپنی دعوت کو غالب رکھو“

”ایک دفعہ دہلی میں کسی مخلص کے یہاں شادی میں آپ کو شرکت کرنی پڑی آپ نے شادی کی خاص مجلس میں بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آج آپ کے یہاں وہ خوشی کا دن ہے، جس دن میں کینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے، گوارہ نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن بھی ناخوش رہے، بتلائے حضور ﷺ کے خوش کرنے کی بھی کوئی فکر آپ لوگوں کو ہے، پھر آپ نے تبلیغ اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سرسبز کرنے کی کوشش کو حضور کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ بتلاتے ہوئے اسکے لئے حاضرین کو دعوت دی“



## ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

”میں جناب حضرت محمد ﷺ کی روح پاک کو اپنی اس (محنت) کے زندہ ہوئے بغیر بے چین پارہا ہوں اور اس وقت دنیا میں مذہب کی تازگی اور تمام دنیا کی اسلامی مخلوق کی بلاؤں اور آفات کا دفعیہ مجھے کھلی آنکھوں اپنی اس تحریک کی تازگی میں منحصر نظر آ رہا ہے اور کچھ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کی طرف سے اس کی نصرت اور اسکی تائید کی کھلی آیات نظر آ رہی ہیں اور امیدیں بہت اچھی کامیابی کی سرسبزیوں سے شاداب ہیں، میں اس امر میں مبادرت (پہل کرنے والوں) اور مسابقت کرنے والوں کے لئے خوش نصیبی اور سعادت کا بہت ہی بڑا حصہ نمایاں دیکھ رہا ہوں لیکن کھلی رغبت کے ساتھ مبادرت اور مسابقت کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔“

## ایک جگہ خط میں تحریر فرماتے ہیں :

”اس بات کا ضرور یقین کرنا چاہئے کہ جو شخص اسلام کے مٹنے کا درد لئے ہوئے بغیر مرے گا اسکی موت بدترین موت ہے، مذہب کے فروغ سے غفلت والا اور اپنی ہی لذت اور دنیاوی زندگی میں مست رہنے والا قیامت کے دن روسیاء اٹھیگا۔“

میرے دوستو! دین کی کوشش میں لگا ہوا شخص مرنے کے وقت تروتازہ اور محمد ﷺ کے ساتھ سرخ روئی کے ساتھ منہ کر سکے گا۔ اور دین محمدی سے غفلت میں مرنے والا روسیاء اور محمد ﷺ کے سامنے منہ نہ کرنے کے قابل اور بری موت مرے گا۔ دین کے اندر کوشش حضور ﷺ کے درد کا مرہم ہے اتنی بڑی ہستی کے مرہم کا فکر نہ کرنا بڑی جہالت اور سخت بری بات ہے۔



## ایک دوسرے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”جس مذہب کے لئے ہزاروں جانوں کا طیب خاطر سے پیش کر دینا اسکی قیمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا اور جس مذہب کی اصلی قیمت سوزشِ جگر اور خونِ دیدہ تھی اسکے لئے ہمارا یہ برائے نام قدموں کا اٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصلی فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا لیکن خدائے پاک کی ذرہ نوازی اور مراحمِ خسروانہ اور اس اخیر زمانہ والوں کے لئے ان کی مساعی پر صحابہ کرام کے پچاس کے برابر اجر و ثواب کے ملنے کی خوشخبریاں اور سچے وعدے اور لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی جیسی بشارتیں ہماری ان مساعی کے بارے میں بڑی امیدیں دلارہی ہیں۔“

ایک دن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلی کے ایک مشہور ڈاکٹر کو (بغرض علاج) لائے مولانا (الیاس صاحب) نے اپنی بات کیسے عجیب انداز میں ان سے کہی: ”ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس ایک فن ہے جس سے مخلوق استفادہ کرتی ہے لیکن وہ فن وہ ہے جسکو ماند کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند ظاہری معجزے (اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینا، مردوں کو زندہ کر دینا) دیکر بھیجا گیا تھا اور یہ تو آپ جان سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو روحانی علوم دیئے گئے تھے وہ ان ظاہری معجزوں سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل تھے، تو مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ہمارے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعہ جو روحانی علوم و احکام بھیجے گئے ہیں وہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روحانی علوم اور انکی لائی ہوئی شریعت کو بھی غیر چلن دار کر دیا۔ تو ذرا سوچئے کہ حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی ان روحانی چیزوں کی



طرف توجہ نہ کرنا کتنی بڑی چیز کی ناقدری ہے۔ لوگوں سے ہم بس یہی کہتے ہیں کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں ورنہ بڑے گھائے میں رہیں گے۔“

**(مرض الوفات) میں ایک موقع پر فرمایا :**

”کاش علماء اس کام کو سنبھالیتے پھر ہم چلے جاتے۔“

**خدام میں سے کوئی خیریت مزاج پوچھتا تو فرماتے :**

”بھائی! تندرستی بیماری تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے اس میں کیا خیریت اور بے خیریت؟ خیریت تو جب ہے کہ جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کام ہو اور حضور ﷺ کی روح مبارک کو چین ہو، صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے جس حال میں چھوڑا تھا اس میں ادنیٰ تغیر آنے کو بھی وہ خلاف خیریت سمجھتے تھے۔“

**آخری دور میں کبھی کبھی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا یہ مقولہ نقل کرتے تھے :**

”اگر من شیخی کنم هیچ شیخ در عالم مرید نہ یابد اما مرا کار دیگر فرمودہ اندوآں تروج شریعت و تائید و ملت است۔“

ترجمہ :- ”اگر میں پیری مریدی کروں تو کسی پیر کو دنیا میں مرید نہ ملے لیکن میرے سپرد ایک دوسرا ہی کام ہے اور وہ شریعت کو رواج دینا اور دین کو قوت بخشنا ہے۔“

**ایک موقع پر فرمایا :**

”میں نے یہ طے کیا کہ اللہ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں ان کا صحیح مصرف ہے کہ انکو اس کام میں لگایا جائے جس میں حضور ﷺ نے اپنی قوتیں صرف



فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص طور سے غافلوں بے طلبوں کو اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گئے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں۔ بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو ان کے شایانِ شان ہے“

مولانا نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو اتنا یکسو کر لیا کہ اگر کسی نے کسی اور بات کی فرمائش کر لی یا مشغول کرنا چاہا تو معذرت کی۔ ایک دوست کو جنہوں نے تعویذ کی فرمائش کی تھی تحریر فرمایا:

(”بھائی اللہ تمہیں خوش رکھے، میں تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک نہیں جانتا میں نے نہیں سیکھے مجھ سے اگر مذہب پر مضبوط ہونے کے واسطے تبلیغ سیکھو تو سب سے زیادہ مفید ہے دنیا کی زندگی کو سہل کر دے اور مرنے کے بعد کی زندگی کو تروتازہ رکھے تبلیغ میں مشغول رہنا چاہتا ہوں، جانتا یہ بھی نہیں۔“)

### ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”تعویذ گنڈا کچھ نہیں جانتا، میرے یہاں ہر درد کا مرہم تبلیغ ہے، دین کے فروغ سے اللہ راضی ہوتا ہے اور محمد ﷺ کو روضۂ اقدس میں ٹھنڈک ہوگی تو اللہ ہر چیز کو خود بخود درست فرمائیں گے۔“

### ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں:

”میرے دوست! نہ میں عامل ہوں نہ میں تعویذوں سے واقف ہوں نہ میں



گنڈوں سے آشنا ہوں ایک مسجد میں پڑا ہوا ناواقف آدمی ہوں، اللہ کے فضل سے اور اسکی رحمت سے اور اسکے کرم سے مرنے کے بعد کی زندگی درست کرنے کی کوشش کرنے والا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس مخلوق میں شامل کر دیں جو حضور ﷺ جیسی نعمت عظمیٰ سے فائدہ اٹھائے بس اسی چیز میں لگا رہتا ہوں اگر آپکے دوستوں کو اس چیز کی ضرورت ہو تو آپ توجہ کریں شاید کوئی بات ہاتھ لگ جائے اور پلے پڑ جائے۔“

### ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”عزیز دوست“ میں اس دکھ کا کیا ذکر کروں کہ سالہا سال کی کوششوں کے بعد (چند افراد ہی تبلیغ میں) نکلتے ہیں اور مہینوں بھی نہیں نکلتے۔ دینی کوشش کے اندر چند مہینے بھی نہیں گزار سکتے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ جب تک فی گھر ایک آدمی ہمیشہ باہر دین کا گھر بنانے کے اہتمام کو یعنی تبلیغ میں باری باری نکلنے کو لازمی نہیں کرے گا اس وقت تک دین کے ساتھ انس اور پائیداری پیدا نہیں ہو سکتی۔

عیسیٰ (مکتوب الیہ کا نام) تم غور تو کرو دنیا فانی میں کام کیلئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس کیلئے صرف ایک آدمی کو کہا جائے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹایا یا نہیں گھٹایا؟ وہ جماعتیں تمہیں دیکھ لو کہ خط لکھے ہوئے کئی دن ہوئے وہ سب واپس ہی ہو گئے جماعتوں کے نکلنے پر خوش نہیں ہونے پاتا کہ واپسی کی آوازیں آ جاتی ہیں۔

عرصہ سے میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لئے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں



اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہوگا وہ انکی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ اہل علم حضرات پر بخوبی روشن ہے۔

جب تک عوام کے سامنے عملی نمونہ نہ ہو محض ممبروں پر کی تقریر عمل پر پڑنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، اگر تقریر کے بعد عمل پر پڑنے کی تجویز و تشکیل نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔  
(کاش تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی استادوں کی نگرانی میں مشق ہو جایا کرے تو علوم ہمارے نفع مند ہوں ورنہ افسوس کہ بے کار ہو رہے ہیں، ظلمت اور جہل کا کام دے رہے ہیں)۔

## ایک مرتبہ اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب سے فرمایا

(ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے۔ میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں)۔  
ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ ”میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے۔  
نوٹ:- یہ متفرق ملفوظات ہم نے ”حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور انکی دینی دعوت“ نامی کتاب مُصَنَّفَہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کئے ہیں۔



## دیگر ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحبؒ

(جمع کردہ) الحاج میانجی رحیم بخش صاحبؒ

فرمایا کہ ..... ذکر سے غفلت دور ہوتی ہے اس واسطے کثرت سے ذکر کرتے رہو۔ شیطان چور ہے غفلت سے چرا لیا دے گا۔ ذکر حصن حصین (مضبوط قلعہ) ہے۔ اس سے شیطان کا دخل نہیں چلتا ہے۔

فرمایا کہ ..... بغیر ذکر عبادات دشوار ہیں اور بے لذت، اس لئے اول ذکر کی مقدار زیادہ کرو جتنا ذکر کیا جاوے، اسکے حکم کو ماننے کی استعداد زیادہ پیدا ہوگی، عبادات خوب ذوق و شوق سے کی جائے گی، اور جب عبادات ذوق و شوق سے ادا ہوں گی تو ان کی برکت سے عادات بھی درست ہو جائیں گے۔ ایسا شخص پھر ”ولی“ ہو جائے گا اس کا ہر کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے موافق ہوگا۔

فرمایا کہ ..... تنہائیوں میں بیٹھ کر ذکر کیا کرو۔ جب تک ذکر سے دل کو چین حاصل نہیں ہوگا تم سے دوسروں کو چین ہرگز نہیں ملے گا اسکا طریقہ یہ ہے کہ تنہائیوں میں اور کچھلی شبوں (رات کے آخری حصے) میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو اس سے چین پیدا ہوگا، پھر تمہارے کہنے کا اثر دوسروں کے دل کو چین دیگا۔ جس قدر تنہائیوں اور شبوں میں بیٹھ کر ذکر کرو گے اسی قدر تمہارے دین پھیلانے کا اثر ہوگا نیز تنہائیوں اور شبوں میں ذکر دھیان سے کرنے سے تمہارے قلوب (دلوں) پر حکمت کے چشمے جاری ہو جائیں گے ان کا جلیس (ہمنشین) شقی (بد بخت) نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ ..... لا الہ الا اللہ کے نور کو تنہائیوں میں روشن کرو، نفس کے عیب معلوم ہوتے رہیں گے اور دین میں ترقی کرتے رہو گے، تو کلیہ یہ ہوا کہ نفس کے



عیوب کے تلاش میں لگے رہو اور دین میں آگے بڑھتے رہو، بعض وقت یہ (نفس) بڑا کام چھڑا کر کسی چھوٹے کام میں لگا دیتا ہے۔ اگر ذکر نہ رکھا تو لایعنی (فضول) باتوں میں پھنسا دیگا اور اس چراغ کو گل کر دے گا۔ (بجھا دے گا)

فرمایا کہ ..... مسلمانوں کے ساتھ محبت اور خدمت گذاری کے ساتھ اختلاط اس قدر محبوب ہے کہ اسکے لئے ستر ہزار فرشتے پر بچھاتے ہیں اور چونکہ بغیر علم کے خدا کا راستہ نہیں ملتا اسلئے طالب علم کے لئے بھی ستر ہزار فرشتے پر بچھاتے ہیں۔  
فرمایا کہ ..... دو شخص ترقی نہیں کر سکتے، ایک تھوڑے کی قدر نہ کرنے والا اس کا قدم ہرگز آگے نہیں بڑھے گا، دوسرے وہ شخص جو وہیں ٹھہرا رہے اس کا بھی قدم آگے نہیں بڑھے گا۔

فرمایا کہ ..... نفس کی لائن سے جو ہوگا وہ ظلمت (اندھیری) لاوے گا اور رسول ﷺ کی لائن سے جو ہوگا اس سے نور آوے گا۔

فرمایا کہ ..... انسان دوسروں کے عیب کا متلاشی رہتا ہے خود اپنی طرف نہیں دیکھتا کہ مجھ میں کیا کیا عیب ہے۔

فرمایا کہ ..... چلانے والے اور چلنے والے علماء ہیں اسلئے علماء اور علم کی قدر کرنی ہے۔

فرمایا کہ ..... دیکھنے میں آیا کہ جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کہی جاتی ہے اول ہاں ہاں نہیں ہوتی، اور اگر ہوتی ہے تو وہ ماحول میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ یا تو ان باتوں کا یقین نہیں یا اس نے ناقدری کی ہے کیونکہ جسکی قدر ہوتی ہے اسکو انسان بہت جلد قبول کر لیتا ہے اور اسکے مطابق عمل کرتا



ہے۔ اہل ثروت اگر بلاویں تو فوراً مان جاتے ہیں۔ اس جلد ماننے کا سبب کیا ہے؟ یعنی ہم اس دنیا میں مبتلا ہیں اس سے اور اسکے اہل سے تعلق ہے۔ آخرت اور اہل آخرت سے تعلق ہوتا ہے تو اسکی بات بہت جلد مانی جاتی ہے۔ سو اللہ کی بات مانی ہے اور اس پر اعتماد و بھروسہ اور یقین کو بڑھانا ہے۔

فرمایا کہ ..... اللہ کے قانون کے موافق اپنی ساری نقل و حرکت کو عمل میں لانا دین ہے اور اسکے برخلاف کرنے کا نام دنیا ہے تمام دین کی ترقی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دعوت میں رکھی ہے اسکے بغیر مسلمان ترقی ہی نہیں کر سکتا، اس لئے دعوت کا فریضہ نماز کے فریضہ سے بھی اعلیٰ ہے مگر ترتیب شرط ہے۔

فرمایا کہ ..... مومن کا مقصود زندگی خدا طلبی ہے اور دین کی پیروی اسکا راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اسکے محرک ہیں برخلاف اسکے غیر مومن کا مقصود زندگی رزق طلبی ہے اور اسکا مقصود نفس پروری ہے۔ اور اسکا محرک نفس و شیطان کے اوامر ہیں۔

فرمایا کہ ..... جس چیز کی وجہ سے دین چھوڑ رکھا ہے یعنی دنیا وہ بھی اسی سے ملتی ہے تو کتنی بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوشش کی قیمت ہے۔ مذہب کی رونق سے تمہاری (رونق) ہوگی۔ بغیر اسلام کے مسلمان نہیں اور بغیر کوشش کے اسلام نہیں۔

فرمایا کہ ..... لایعنی میں مشغول ہونا نور کو بجھا دیتا ہے، پھر گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور وقت محرمات (نا جائز کاموں) میں، سیر و سیاحت میں غیبت میں گزارا جاتا ہے۔

فرمایا کہ ..... اعمال خالص رضائے الہی کے لئے کرے۔ تبلیغ میں



مومن کی زیارت آنکھ کا ذکر ہے اور چلنا پیروں کا ذکر ہے۔

فرمایا کہ ..... دین کے مل کر کرنے میں برکت رکھی ہے تمام کاموں کو مل کر کیا کرو۔

فرمایا کہ ..... کام کرنے کی اصل جگہ تو اپنا وطن ہے مگر جب تک سیکھو گے نہیں اس وقت تک دور سے دور جانے سے سیکھنا زیادہ آوے گا۔

فرمایا کہ ..... قرآن شریف حضور اکرم ﷺ کا رہبر ہے۔ اس پر

غور کرو قرآن کتنی عظمت والا ہے۔ قرآن شریف کے اندر عجیب و غریب عجائبات ہیں۔ اسکی عظمت یہ ہے کہ اسکی محنت کے مقابلہ میں دنیاوی تمام محنتیں نیچی ہوں۔

فرمایا کہ ..... مخلوق سے امید باندھنا اللہ کو جتنا غضب میں لاتا ہے اتنا ہی اللہ سے امید نہ باندھنا (نا امید ہونا) غضب میں لاتا ہے۔

## ایک تبلیغی جلسے کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے تاثرات

”میں پچیس (۳۵) سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔

یہ اجتماع اور انسانوں کا یہ جنگل ایک جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ تھی، دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے اور رات کے عبادت گزار دن کے خدمت گزار نظر آتے تھے، ان دونوں چیزوں کا جمع کرنا اس دعوت کے مقاصد میں سے تھا۔



اس جلسہ کے باضابطہ اجتماع کے علاوہ خود مولانا (الیاس صاحب) اُٹھتے بیٹھتے اور ہر نماز کے بعد اپنی بات کہتے رہتے، ہر نماز کے بعد کی خود فراموشانہ دعا بھی ایک پُر جوش اور اثر آفریں تقریر سے کم نہ تھی۔

## ختمہ مسک

### تبلیغی جماعت کے متعلق مبشرات

تبلیغی جماعت سے متعلق ترکی کے مفتی صاحب کا مبارک خواب

۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ شب چہار شنبہ آج ترکوں کی ایک جماعت آئی، حضرت والا (شیخ الحدیث) نے دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ ہماری طرف سے کوئی شکایت تو نہیں؟ سب نے بشارت سے جواب دیا کہ الحمد للہ کوئی تکلیف نہیں ہوئی، بڑی خوشی ہوئی اور ان کے چہروں سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مولانا ضیاء الدین صاحب سے فرمایا کہ وہ خواب جس سے ترک کے مفتی صاحب نے دیکھا تھا سناؤ۔

مولانا نے کھڑے ہو کر تفصیل بیان کی کہ جب ہم جماعت لیکر ترک پہنچے تو وہاں معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے ایک اور جماعت ہندوستان سے آئی تھی اس وقت اس



جماعت کو وہاں کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ ہماری جماعت سے لوگوں نے یہی کہا، وہاں اجازت کیلئے مفتی صاحب کے پاس جانا پڑتا تھا۔ ہم نے سوچا کہ اگر اجازت نہیں ہے تو کم از کم بڑے مفتی صاحب سے مل لینا چاہیے۔ جب ہم بڑے مفتی صاحب سے ملنے گئے تو کہا گیا کہ پہلے نائب مفتی صاحب سے ملاقات کرو، ہم نے نائب مفتی صاحب سے ملاقات کی، اور ان سے ہم نے دینی سلسلے میں گفتگو کی، بڑے مفتی صاحب بھی پردے کے پیچھے کھڑے ہماری تمام باتیں سن رہے تھے۔ پھر بڑے مفتی صاحب نے ہم کو بلا کر کہا کہ آپ سے پہلے بھی ایک جماعت ہندوستان سے آئی تھی۔ اور انہوں نے بھی ہم سے کام کی اجازت طلب کی تھی، لیکن میں یہ سوچ کر کہ ہندوستان سے اتنی دور دین کے پھیلانے کیلئے کوئی نہیں آ سکتا ہے اسلئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم سی، آئی، ڈی، ہو، میں نے کام کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور وہ جماعت ناامید ہو کر چلی گئی تھی، اسی رات میں نے خواب میں اس جماعت کو ایک بیابان جنگل میں دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہے اور حضور اقدس ﷺ انگور کے خوشے لئے ہوئے جماعت والوں میں تقسیم کر رہے ہیں، میں نے خیال کیا کہ شاید جماعت والوں کو تقسیم کرنے کے بعد آپ ﷺ مجھے بھی مرحمت فرمائیں گے، لیکن جماعت والوں کو تقسیم کر کے آپ ﷺ چل دیئے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا اور دوسری طرف آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ اس خیال سے کہ شاید حضور ﷺ میری طرف توجہ فرمائیں اور مجھے بھی عنایت فرمادیں۔ لیکن حضور ﷺ نے میری طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا انت لا تستحق لهذه العناقید من العنب حتی تجتهد اکثر من هؤلآء۔ تم ان انگور کے خوشوں کے مستحق نہیں ہو سکتے، جب تک ان لوگوں سے زیادہ تم (دین کیلئے) محنت کر کے نہ دکھلاؤ میری آنکھ کھلی، اور اسی وقت مجھے تنبیہ ہوا کہ یہ سی، آئی،



ڈی کی جماعت نہیں ہے اس کے بعد سے میرا دل تبلیغی جماعت کی طرف سے صاف ہو گیا، اور میں نے پورے شہر میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔

## مکتوب حضرت فقیہ الامت قدس سرہ

سیدی مدظلہم العالی، السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

احقر نادم ہے کہ اب تک عریضہ ارسال نہ کر سکا، خارش سے بلکلہ فراغت نہیں ہوئی ایک گھنٹا تو سجدہ میں ٹک جاتا ہے دوسرے پر ابھی زور نہیں دیا جاتا بے تکلف بیٹھا بھی نہیں جاتا تاہم شکر ہے کہ پہلے سے بہت افاقہ ہے، احقر نے خواب میں زیارت کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا دو کام کرتے رہنا، تعلیم و تبلیغ جنت میں میرا ساتھی رہے گا، قریبی مسجد میں بعد فجر ترجمہ شروع کر رکھا ہے اور تبلیغ کے لئے بھی نمازی آمادہ ہو گئے ہیں، اس پنج شنبہ سے شروع کرنا طے کیا ہے۔ کاندھلہ سے مولوی افتخار صاحب کا خط آیا ہے کہ یہاں آ جا مدرسہ میں کام شروع کر دے، جو مشاہرہ سہارنپور تھا وہی یہاں کے لوگ دیں گے احقر نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا، جو ارشاد عالی ہوا احقر ان کو جواب تحریر کر دے اور کوئی چیز قابل عرض نہیں بخار کی وجہ سے ذکر ناغہ بھی ہوا لیکن پھر شروع کر دیا۔ ذکر وہی ہے جس کو زبانی عرض کیا تھا، یعنی گیارہ سو نفی و اثبات اور چھ ہزار اسم ذات اس میں کچھ تغیر فرمانا ہو تو ارشاد فرمائیں۔ فقط والسلام

احقر محمود غفرلہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۷۵ھ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے جواب تحریر فرمایا

مکتوب گرامی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ



خواب مبارک ہے اللہ جل شانہ مبارک فرمائے جن دو ارکان کا حکم ہے دونوں اہم ہیں، تبلیغ کے متعلق تو میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ سہارنپور کی تبلیغی ذمہ داری آپ پر ہو مگر جتنی دلچسپی کی اس کے لئے ضرورت تھی وہ نہ ہو سکی، تعلیمی سلسلہ کے چھوٹنے کا بھی قلق ہے حق تعالیٰ شانہ کوئی صورت بہتر مقدر فرمائے، دعا کرتے رہیں یہ ناکارہ سیاہ کار بھی دعا گو ہے۔

ذکر یا ۲۷ / ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ  
(حیات محمود جلد ۱ صفحہ ۲۷۳)

## ایک مبارک خواب

مدارسِ دینیہ میں شبِ جمعہ اور جمعۃ المبارک کو اسباق کی چھٹی رہتی ہے بعض طلبہ جمعرات کو تقریری و تحریری مشق کرتے ہیں بعض طلبہ اپنے نجی کاموں میں مشغول رہتے ہیں کچھ فکر مند طلبہ چوبیس گھنٹہ کے لئے جماعت بنا کر مدرسے کے آس پاس کے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کی محنت کے لئے جاتے ہیں۔ بڑے مدارس میں طلبہ کرام اپنی مرضی سے جماعت میں چلے جاتے ہیں اور رمضان کی چھٹیوں میں گھر جانے کے بجائے تبلیغ میں وقت لگاتے ہیں۔ بعض مدارس میں اساتذہ کرام طلبہ کی تربیت کے لئے جماعت میں جانے والوں کو خود نامزد کرتے ہیں کچھ طلبہ تو بطیب خاطر تبلیغ میں چلے جاتے ہیں اور کچھ بادلِ ناخواستہ۔ ایسا ہی معاملہ احقر مرتب کے ساتھ پیش آیا ایک دفعہ اپنے اساتذہ کرام

کے حکم کی تعمیل میں بادلِ ناخواستہ جمعرات کو چوبیس گھنٹے کیلئے ایک جماعت لیکر ایک



بستی میں جانے کا حکم ہوا۔ اپنے ساتھیوں میں سے ایک طالب علم نے اسی رات خواب دیکھا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ایک سبز رنگ کی کار میں تشریف لائے اور دارالعلوم کے صدر دروازہ کے سامنے ٹھہرے اور جماعت میں جانے والے ساتھیوں اور کچھ مخصوص افراد کو اس کار میں بٹھایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں ان کو اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے جا رہا ہوں۔

اگلے روز اس خواب کے سننے کے بعد تبلیغی جماعت میں جانے میں پس و پیش کرنے کے سلسلے میں کافی ندامت ہوئی اور آئندہ بطیب خاطر جماعت میں جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

چند سال قبل ایک بستی میں تبلیغی جماعت کا ایک اجتماع ہوا احقر مرتب بھی اس اجتماع میں ابتداء سے لیکر انتہا تک شامل رہا یہ دینی اجتماع سہ روزہ تھا اجتماع کی تیاری کئی روز قبل سے ہی ہو رہی تھی اسی اثناء میں ایک دیندار حاجی صاحب جواب مرحوم ہو چکے ہیں نے خواب دیکھا کہ اجتماع گاہ تک آنے والے راستوں پر سبز رنگ کے قالین دور دور تک بچھائے جا رہے ہیں انہوں نے پوچھا یہ قالین کس غرض سے بچھائے گئے ہیں انہیں بتایا گیا کہ اس مبارک اجتماع میں حضرت نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تشریف لانے والے ہیں اسلئے انکے اعزاز و اکرام میں ان راہوں پر قالین بچھائے جا رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا اسلئے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا (حوالہ بخاری شریف و مسلم شریف)



حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا (یعنی سچا خواب دیکھا اور مجھ ہی کو دیکھا)۔  
(بخاری شریف و مسلم شریف)

## ایک عارف کی توثیق

صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ اپنے قیام گاہ پر جو باب العمرہ کے برابر والے مکان میں تھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت (مولانا الیاس صاحب) کچھ فرما رہے تھے اور ہم سن رہے تھے کہ ایک شخص دروازے کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور خطاب کر کے کہا کہ جو کام تم کر رہے ہو اس میں مشغول رہو اس کام کا اجر و انعام اتنا بڑا ہے کہ اگر تمہیں بتلا دیا جائے تو برداشت نہ کر سکو شادی مرگ ہو جائے یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے اور ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون بزرگ تھے، مولانا بدستور اپنی گفتگو میں مشغول رہے اور ادھر التفات بھی نہ کیا۔  
(دینی دعوت از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب)



## نظم بر حمایت تبلیغ!

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

تبلیغی جماعت اور اس کے کارنامے

ان کے خلوص کا یہ اثر ہے کہ ان کی دوڑ مخلوق میں بھی اس کو ہے حاصل قبول عام  
گھر گھر پہ جا کے دین کی منادی انہوں نے کی دن رات گشت کر کے ہر اک کو دیا پیام  
ہر ملک میں پہنچ کے لگائی صدائے حق ہر چہ زمیں کو بنا آئے حق مقام  
ہر اک میں دھن لگادی کہ داعی دین بنے ہر فرد کو ابھارا کہ حق کا وہ دے پیام  
سوتے ہوؤں کو چشم زدن میں دکھادیا ذاکر بنا کے دین کی تذکیر کا مقام  
غفلت زدوں کو انکے گھروں سے نکالکر کردیتے ہیں طریق الہی میں تیز گام  
مردہ دلوں کو خاص ادا سے جھنجھوڑ کر بیدار کردیا بیدارات و لطف عام  
معروف کیلئے ہیں بہر گام مستعد منکر کے حق میں سارے ہیں تلواریں بے نیام  
سعی و عمل کی اس تگ و دو کا ہے یہ اثر ہوں گر لٹاؤں بھی تو وہ بن جاتے ہیں کرام  
کتنے ہی حملہ ہائے جگر دو ز سر پہ ہوں پاؤں کی چال میں ہے نہیں جوش انتقام  
یہ جذب یہ امنگ یہ سعی و عمل کی دوڑ جن میں نہیں ہے ایک حقیقت بھی نا تمام

لکھنے



سر پر خدا کے دین کی عظمت لئے ہوئے پیروں تلے پڑی ہوئی دنیائے بے مقام  
 دعوت کہ جس میں جمع جماعت کا رنگ ہو گشتی جماعتوں سے ہو دعوت کا انصرام  
 داعی بنے اس امت حقہ کا ہر سپوت ہر مقتدی دین بنے قوم کا امام  
 یہ تھی ندائے حق کہ تھی بجلی کی اک کڑک چونک اٹھے جس سے سارے خواص اور سب عوام  
 ہندو عرب ہو پاک ہو یا ترک اور تیار جتھے ہیں دین حق کے جو ہیں گشت میں مدام  
 تھا یہ اثر کہ سارے تھے اک دم رواں دواں کوئی سفید فام تھا یا سیاہ فام  
 پروانہ وار دعوت و تبلیغ کیلئے بڑھکر لگا لکھانے ہر ایک اپنا اپنا نام  
 ہر سمت داعیوں کا ایابے اور ذہابے ہے جوتھے ہیں دین حق کے جو ہیں گشت میں مدام  
 ہے یہ جماعت آج کی امت کی آبرو ملت ہے آج اس کی مساعی سے شاد کام  
 دعوت میں ہے غنا بھی توکل بھی زہد بھی اور فکر عالمی بہم گیری نظام  
 عزلت بھی اس میں جمع ہے میدان بھی ہے ساتھ خلوت کے زیر سایہ ہیں جلوہ کے تیز گام  
 ان کا ہے کام پوری لگن اور خلوص سے اس کام کا خدا کے یہاں ہے بڑا مقام